دائرہ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

تفسیر سورہ اخلاص

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورہ کی ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہی کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں، ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت :- ۵/

تفسیر سورہ والتین

استاذ امام علامہ فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورۂ والتین کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجوہ استشہاد اور ان کی تحقیق کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ قیمت ۶/

تفسیر سورہ کوثر

استاذ امام مولانا فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ کوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کوثر کی تحقیق خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز و قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت جاذب نظر تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۲۳ صفحے۔ قیمت ۸/

| جلد ۴ | ماہ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق مئی ۱۹۳۹ء | نمبر ۵ |

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۲ - ۸
معارف قرآن		
تفسیر سورہ تحریم	استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۹ - ۱۴
اقسام القرآن	" " "	۱۵ - ۳۰
لا اقسم بہذا البلد	جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی	۳۱ - ۴۱
مقالات		
فرعون موسیٰ	از استاذ محمد فرید ابو حدید	۴۲ - ۵۲
حکمت غرب		
مارکس اور ہیگل کے خیالات	جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے	۵۳ - ۵۷
ادبیات		
غزل	جناب مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ	۵۸
افادات مولانا اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے		۵۸
تقریظ و تبصرہ	ع - ن	۵۹ - ۶۴

شذرات

چند دن صوبہ بہار میں بہار کے مختلف شہروں میں بارہا جانے کا اتفاق ہوا ہے لیکن مئی کے پہلے ہفتہ میں جمعیۃ علمائے صوبہ بہار کے اجلاس دربھنگہ کی شرکت کے لئے جو سفر پیش آیا اس کے بعض تاثرات قلم بند کرنے کے قابل ہیں۔

دربھنگہ کا یہ اجلاس نہایت کامیاب رہا۔ ایسا کامیاب کہ اسکی کامیابی نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس جلسہ میں صوبہ کے مختلف شہروں کے نمایندوں کی جو تعداد شریک ہوئی تھی، اس ناسازگار زمانہ میں، ایک آل انڈیا اجلاس کیلئے بھی کچھ کم نہ تھی، چہ جائیکہ ایک صوبہ کے علماء کی کانفرنس کیلئے۔ عام اجلاس میں شریک ہونیوالوں کی تعداد ۱۰ سے ۱۵۔۲۰ ہزار تک بتائی گئی لیکن تعداد کوئی چیز نہیں ہے۔ اصلی چیز وہ ذوق و شوق، جوش و خروش اور انہماک و اشتغال تھا جو گنگ پارک لہریا سرائے کے ہر گوشہ میں نظر آتا تھا۔ ایک مدت سے علماء کو مطعون و مجروح کرنے کے باوجود ان کے مخالفین علماء کے اثر کو مٹا نہ سکے۔ عام مسلمان اب آہستہ آہستہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ دین کی خدمت اگر کچھ ہو سکتی ہے تو انہی علماء کے ہاتھوں۔ باقی ملک کے مذہب و کلچر کے نئے محافظ جس چمکتی ہوئی سراب کی طرف مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں وہ موت اور ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اعمالهم کسراب بقیعة یحسبه الظمآن ماءً حتی اذا جاءه لم یجده شیئاً ووجد الله عنده فوفّٰه حسابه والله سریع الحساب (نور)

ہم شروع سے اپنے ان دوستوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ جن ہتھیاروں کے استعمال سے وہ ناواقف ہیں ان کو لیکر میدان میں نہ نکلیں۔ ایک اناڑی کی تلوار سے دشمن کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسکا اصل خطرہ اسی کے لئے ہے۔ مگر ان حضرات نے مذہب، مذہب کی اتنی رٹ لگائی کہ اس ہنگامہ نے کان بہرے کر دئے۔ مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہی چیز حلق کی پھانس بن رہی ہے۔ وہ مذہب اور خدا کا نام تو لیتے ہیں مگر ان ناموں کے ساتھ جو کام وابستہ ہیں ان کے تصور سے ان کے دلوں پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ ان میں اسکی بالکل جرأت نہیں ہے کہ وہ آج مسلمانوں کو صاف صاف بتا سکیں کہ وہ مذہب کی خدمت کیلئے کیا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس راز کے افشا ہونے کے بعد وہ اپنی راس کماری سے لیکر کشمیر تک کی ساری فتوحات کھو دینگے۔ مگر اب وہ زیادہ دنوں تک اس کو چھپا نہ سکیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے دلوں کے بھید اگلنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اس وقت مسلمان سمجھیں گے کہ ہم نے لفظوں کو سونگھ کر ان کے دلوں کے باطن کا جو حال بتایا تھا واقعات نے اسکی کیسی حیرت انگیز تصدیق کر دی ہے۔ اور یہ وقت یقیناً ہمارے ان "مقدسین" کیلئے مایوس کن ہوگا جو بھاگ کے گئے ہیں کہ لیگ کے قبرستان میں چند گز زمین اپنے لئے بھی مخصوص کرالیں۔

بہر حال اب حالات میں حیرت انگیز تبدیلی ہو رہی ہے۔ لیگ کی چڑھی ہوئی کمان اگر اتر نہیں چکی ہے تو ڈھیلی ضرور ہو رہی ہے اور ہمارے علماء نے فرض شناسی کی راہ سے جن چیزوں تک آنا پسند نہیں کیا تھا خطرات نے ڈرا کر اب ان کو قریب قریب وہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اب ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو رہا ہے اور لڑنے کیلئے انھوں نے ہتھیار سنبھال لئے ہیں۔ ہر چند ان کو اپنی تاخیر کی سزا بھگتنی پڑے گی، لیکن اگر انھوں نے ہمت نہ ہاری تو تمام مفروضہ ہے کہ انشاء اللہ دوسرے ملکوں کی طرح ہندستان کو دین و مذہب کے لئے جہنم بننے نہ دیں گے۔ اسکا افسوس ہے کہ وہ وقت کے بہت بعد بیدار ہوئے ہیں مگر شکر ہے کہ انھوں نے موت سے پہلے کروٹ بدل دی ہے۔

دربھنگہ سے پٹنہ جانا ہوا۔ پٹنہ میں کام دوسروں کا تھا مگر غرض اپنی تھی۔ اورینٹل لائبریری کی سیر کا شوق عرصے سے تھا۔ اس دار العجائب میں چند گھنٹے بسر ہوئے۔ محب مخلص مولانا مسعود عالم صاحب ندوی آجکل کتابدار کی خدمت پر مامور ہیں۔ انکی رہنمائی اور میزبانی سے بے تکلف متمتع ہوا۔ جن چیزوں کو دیکھکر خاص طور پر مسرت ہوئی ان میں سے ابوجعفر احمد بن زبیر اندلسی متوفی ۷۰۸ھ کی ایک کتاب البرہان فی ترتیب سور القرآن ہے۔ احمد بن زبیر مشہور نحوی اور مفسر ابوحیان کے شیخ ہیں۔ کتاب مختصر ہے۔ اس میں مصنف نے ہر سورہ کا اسکی سابق و لاحق سورتوں سے معنوی ربط و تعلق واضح کیا ہے اور اختصار کے ساتھ ہر سورہ کے مضامین میں بھی ربط دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کتاب جستہ جستہ دیکھی۔ بعض باتیں نہایت عمدہ ملیں۔ پوری کتاب میں معلوم نہیں کیا کیا جواہر ہوں گے۔ ان کا طریقہ فکر و تدبر استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کے طریقہ فکر و تدبر سے بہت اشبہ ہے۔ مجھکو بعض مباحث میں دونوں کے نتائج تحقیق یکساں ملے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن اگر اس کتاب کو چھاپ دے تو قرآن کے طلبہ پر بڑا احسان ہو۔ پٹنہ میں ایک ہم وطن اور پرانے ہم مدرسہ بھائی اور دوست ریاض الحق صاحب تھے ان کی میزبانی اور عنایات بے پایاں کو بھی یاد رکھوں گا۔

پٹنہ پہنچنے کے بعد پھلواری شریف کی حاضری بھی ضروری ہوگئی۔ محب مخلص مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی کی معیت میں چند گھنٹے کیلئے وہاں بھی گیا۔ حضرت امیر شریعت مدظلہ سے ملاقات کی عزت حاصل ہوئی۔ درویشانہ شفقت کے ساتھ مصافحہ و معانقہ فرمایا۔ جس مکان میں باریاب فرمایا (اور جو غالباً مستقل نشست گاہ ہے) وقت کے تمام تکلفات و تصنعات سے بالکل پاک ایک گوشہ فقر و درویشی ہے۔ جانماز پر فروکش تھے اور سامنے کاغذات کا ڈھیر تھا۔ یہ کاغذات یقیناً وقت کے مسائل مہمہ سے متعلق رہے ہوں گے۔ یہ نقشہ دیکھکر مرحوم اقبال کے چند شعر یاد آگئے۔ آجکل فقر و تصوف نفی محض کا نام ہے جس سے میری طبیعت کو انس نہیں۔ مگر یہاں کی شان دوسری ہے۔ پیشانی تابناک تھی اور الفاظ و فقرے سادہ پر اثر۔ وقت کے غوغائے عام میں صبر و توکل اور استقامت و عزیمت کی نصیحت فرمائی اور یہ مختصر صحبت اچھے تاثرات کے ساتھ تمام ہوئی۔

اس کے بعد امارت شرعیہ کے دفتر میں حاضر ہوا۔ پہلے وہلہ میں دفتر کو دیکھکر میرے دل پر کوئی اچھا اثر نہیں پڑا۔ تنگ جگہ اور ہر گوشہ میں کاغذوں اور فائلوں کا انبار۔ خیال ہوا کہ مسلمانوں کے تمام کاموں پر افسردگی کی جو موت طاری ہو وہی موت یہاں بھی مسلط ہے۔ حضرت مولانا سجاد صاحب جو اس قالب کی روح ہیں، موجود نہیں تھے۔ مگر کارکنوں کی خواہش پر میں نے دفتر کو دیکھا۔ جوں جوں میں کاموں کو دیکھتا گیا، میری مایوسی امید سے بدلتی گئی اور جب دیکھکر فارغ ہوا تو میرے استعجاب اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ مسلمانوں کے اندر جماعتی کام کا سلیقہ یکقلم مٹ گیا ہے۔ ہر شخص صرف ایک زبان اعتراض و نکتہ چینی بن کے رہ گیا ہے۔ بالخصوص مولویوں کے کاموں کی تحقیر و مخالفت تو گویا فیشن میں داخل ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود امارت شرعیہ کے ہاتھوں آج جو کام انجام پا رہے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کا اصلی نقشہ یہی ہے۔ اسی طرح کا نظام ہمارے تمام صوبوں میں باضابطہ اور مکمل شکل و صورت میں قائم ہو جائے تو ہمارے تمام روگوں کا یہ واحد علاج ہے۔ اسکی نگرانی میں متعدد مذہبی مدارس قائم ہیں، بیواؤں، یتیموں، مسکینوں کو وظائف ملتے ہیں، مبلغین اسلام مامور ہیں جو دیہاتوں اور قصبوں میں تبلیغ کرتے ہیں، عشر و زکوٰۃ کی تحصیل کا انتظام ہے اور گو مسلمانوں کے تشتت اور تعطل و جمود کی وجہ سے یہ نظام مساوی و ہمہ گیر نہیں ہو سکا ہے لیکن جتنا کچھ بھی ہے نہایت مرتب، نہایت صحیح اور نہایت قرینہ و سلیقہ کا ہے۔ تمام حساب و کتاب جدید طریقہ پر ہے۔ ہر کام کیلئے الگ شعبے ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ انچارج۔ میں نے متعدد مقدمات کی مسلیں، حساب کے رجسٹر، وصول چندہ، مدارس، ملازمین اور طلبہ وغیرہ کے اعداد و شمار سب منگوائے اور سب دیکھے۔ سب نہایت قرینہ کے ساتھ مرتب موجود ہے۔ امارت کے شعبہ قضا کے کاموں کو میں نے خاص دلچسپی سے دیکھا اور میرے لئے ناممکن تھا کہ اس شعبہ کے کاموں اور اس کی خوبیوں کا اعتراف نہ کروں۔

ایک چھوٹے سے جھونپڑے کے اندر اتنے مختلف النوع شعبوں کا اجتماع اور سب کا سلیقہ اور صفائی کے ساتھ مرتب رہنا نہایت تعجب انگیز تھا اور مجھے اس پرانی سرزمین کے مشہور بزرگ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی رحمہ اللہ کا ایک لطیفہ

یاد آیا، انھوں نے اپنی کسی تقریر میں دار العلوم ندوہ کے مختصر مکان کو، موجودہ عالیشان عمارت کو نہیں، سابق عمارت کو، پنساری کی ایک ایسی بوتل سے تشبیہ دیا تھا جس میں جملہ قسم کے عرق ایک ساتھ جمع ہیں۔ مرحوم شاہ صاحب کا یہ لطیفہ امارت شرعیہ کے دفتر پر پوری طرح صادق آتا ہے مگر ان ماہر عطاروں نے ان تمام شربتوں کو اس طرح ایک ہی بوتل کے اندر جمع کیا ہے کہ وہ ملنے کے باوجود الگ الگ ہیں بینہما برزخ لا یبغیان

امارت کا یہ دفتر بہت سی خصوصیات میں مولانا سجاد صاحب کے صفات کا عکس ہے۔ وہ بھی ایک "سرخفی" ہیں، پہلی نظر میں ان کو دیکھ کر طبیعت پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑتا۔ وہ غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتے ہیں اور جب سمجھ میں آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت ایک طاقتور اور ایک موثر شخصیت ہے۔ وہ بولتے بہت کم ہیں اور لکھنے سے بھی کچھ ایسی دلچسپی نہیں مگر سوچتے ہر وقت ہیں اور جب نقشہ بنا لیتے ہیں تو اس کی تکمیل کے لئے جان لڑا دیتے ہیں۔ وہ فکر، عمل، اور اخلاص تین عناصر کا مجموعہ ہیں۔ بعضوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ "ملا" بے جانے بوجھے، عربی کی چند کتابیں پڑھکر سیاست میں کیوں دخل دیتا ہے؟ میں نے کہا خوب! تم ریڈیو پر مس فلاں اور ماسٹر فلاں کے گانے سن کر اور اسٹیٹسمین میں اسپورٹ، سینما، ریس کی خبریں پڑھکر تو دنیا جہان کی سیاست کے ماہر ہوگئے مگر مولانا سجاد جنکا خون فکر رات دن مسلمانوں کی قومی مذہبی گتھیوں کو سلجھانے میں مشغول رہتا ہے، جو ربع صدی سے ملک کی تمام سیاست کا عملی تجربہ رکھتے ہیں، جنھوں نے بڑے بڑے مدعیان سیاست کی ہمتیں بوڑھی کر دیں اور خود ہنوز نوجوانوں کے سے عزم کے ساتھ میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں، سیاست نہیں جانتے، یہ کتنی عجیب بات ہے۔

بہرحال عملی کام کا نقشہ وہی ہے جو امارت شرعیہ کی شکل میں صوبہ بہار میں قائم ہے۔ مستقبل کے ہندوستان میں ہم کو جو کچھ کرنا ہے اس کا ایک نا تمام خاکہ یہاں موجود ہے۔ یہ بھر جائے تو باضابطہ شکل میں آجائے تو ہماری مذہبی اور کلچرل زندگی کی کوئی بات اس کے دائرہ سے باہر نہیں رہ جاتی۔ ضرورت ہے کہ ہم زندگی کی راہ اختیار کریں اور جماعت اور نظام میں رہ کر جینے کا طریقہ سیکھیں۔ کل بننے والی عمارت کی داغ بیل آج پڑنی چاہئے۔ یہ ہمارے استحقاق کا ثبوت ہوگا۔ دنیا میں دعاوی اور مطالبات ہمیشہ ٹھکرا دیئے جاتے ہیں مگر واقعات سے انکار کی جرأت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ تم جو کچھ بننا چاہتے ہو خود بنو، ساری دنیا اس سانچہ میں آپ سے آپ ڈھل جائے گی۔ لیکن ایک عملی نقشہ قائم کئے بغیر اگر یونہی شور کرتے رہے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ساری دنیا ہماری کوتاہ آستینی اور درماندگی پر ہنسیگی

ابھی کل ایچ۔ سی۔ آرمسٹرانگ کی ایک کتاب "لارڈ آف اریبیا" Lord of Arabia الٹ پلٹ رہا تھا۔ اس کے صفحہ ۱۰۵ پر ایک دلدوز طعنہ ملا جس سے ہر خوددار ہندوستانی مسلمان کا کلیجہ شق ہو جانا چاہیے لیکن جب آدمی سوچتا ہے کہ طعنہ کتنی ہی دلخراش سہی لیکن واقعات کے بالکل مطابق ہے تو تلملا کر چپ ہی ہو جانا پڑتا ہے۔ یہ ظالم لکھتا ہے کہ۔

"حجازی ان بیرونی وفود کے طرز عمل پر سخت حیص بیص تھے جو ان کو اپنے مقابل میں فروتر خیال کر رہے تھے۔ بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کے طرز عمل پر جنھوں نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ حجاز کو ایک بین الملی جمہوریہ (International Republic) بنا دیا جائے اور وعدہ کیا کہ قیام امن اور پولیس اور فوج کے فرائض انجام دینے کے لئے وہ ہندوستان

سے اپنے آدمی بھیجیں گے۔ اس تجویز نے تمام عربوں کو خواہ نجدی ہوں یا حجازی مشتعل کر دیا۔ انھوں نے کہا کیا ہندوستانی اپنے کو اتنا برتر سمجھتے ہیں کہ وہ عرب پر حکومت کر سکتے ہیں: بلکہ ایک حجازی نے تو ہندوستانی وفد کے ایک رکن سے یہاں تک کہہ دیا کہ "تم ہندوستانیوں کی حکومت سے تو بہتر ہے کہ ابن سعود کا کوئی حبشی غلام ہم پر حکومت کرے اور ظلم و جور کی حکومت کرے پہلے تم ہم کو یہ دکھاؤ کہ تم بمبئی میں ایک کھانے کی دوکان چلا سکنے کا سلیقہ رکھتے ہو اس کے بعد ہمارے ملک کے انتظام کے لئے آنا۔"

ان سطروں کو پڑھ کر میری حمیت و غیرت نے تمام بدن کو ایک بھڑکتا ہوا تنور بنا دیا لیکن پھر شرمندگی کی ایک لہر آئی اور اس نے تمام رگوں کو مردہ لاش کی طرح ٹھنڈا کر دیا۔ آخر ہم خدا اور دنیا کی نگاہوں میں کب تک ذلیل رہیں گے۔!!

تفسیر سورۃ الفیل

اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعۂ فیل کی اصلی حقیقت اس کتاب کی اشاعت سے پہلے بالکل مجہول تھی جس سے سورہ کی تفسیر میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مولانا نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کر کے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا۔ واقعہ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دے دیا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اس کی اصلی حقیقت آشکارا کر دی ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین کاغذ عمدہ۔ قیمت عربی ۸ر - اردو ۸ر

مینجر

معارف قرآن

تفسیر سورہ تحریم

(۵)

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ

چاروں مثالوں کا ربط اور اُن کی مطابقت

۲۲ - پہلی اور دوسری مثال کفار کی ہے اور چونکہ اوپر منافقین کا ذکر گذر رہا ہے اور اس سے ان دونوں مثالوں کا نہایت قریبی تعلق ہے اس لئے ان دونوں کو پہلے بیان فرمایا۔ اور دوسری دونوں مثالیں فرمانبرداری اور اطاعت کی حقیقت ظاہر کر رہی ہیں اور ایک خاص حکمت جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں مقتضی تھی کہ یہ سورہ قنوت و تبتل کے مضمون پر ختم ہو۔ پس یہ دونوں مثالیں آخر میں بیان ہوئی ہیں۔

بظاہر یہ عورتوں کی مثالیں ہیں لیکن ان کی تعلیم مردوں اور عورتوں دونوں کو دی گئی ہے اس لئے بعض ایسے امور کی رعایت ضروری ہوئی جو مردوں اور عورتوں دونوں کے حالات کے لئے موزوں ہوں۔ چنانچہ ان مثالوں میں جو اخلاقی خصوصیات ابھری ہوئی نظر آتی ہیں ان کے اندر اسی قسم کی عمومیت ہے۔ مثلاً امانت داری، پاس عہد، رازداری، بیگانوں سے دوری، پاکیزگی، کلمات الٰہی اور کتب سماوی کی تصدیق، فرمانبرداری۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت سے متعلق کوئی تفصیل اگلی کتابوں اور قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ البتہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا: "مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں" لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق اگلی کتابوں اور قرآن مجید دونوں میں یہ بات ملتی ہے کہ باوجود ممانعت اس نے اپنی معذب بستی کی طرف مڑ کے دیکھا اور عہد الٰہی اور شوہر کے حکم کی پروا نہ کی۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ "ان دونوں کی خیانت یہ تھی کہ اپنے شوہروں کے دین کی مخالف تھیں۔ حضرت نوحؑ کی بیوی شوہر کے تمام اسرار ظاہر کر دیتی۔ اگر کوئی شخص ان پر ایمان لاتا... اس کی اطلاع فوراً قوم کے تمام سرکشوں کو ہو جاتی۔ لوطؑ کی بیوی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مہمان اترتا، اس کی خبر فوراً تمام بدکار قوم میں پھیل جاتی" انہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ "حضرت نوحؑ کی بیوی لوگوں میں یہ پھیلاتی کہ وہ مجنون ہو گئے ہیں"۔ ہمارے نزدیک یہ تمام باتیں حضرت ابن عباسؓ کے مستحسن استنباطات میں سے ہیں۔ اس بارہ میں آنحضرت صلعم سے کوئی صحیح قول مروی نہیں ہے۔ بہرصورت اتنا مسلم ہے کہ ان دونوں عورتوں نے اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی بلکہ اپنے شوہروں کی تحقیر کی۔ حالانکہ عورت اور مرد دونوں کی سب سے اعلیٰ صفت فرمانبرداری اور عہد اطاعت پر قائم رہنا ہے۔ اس کی تصریح سورہ احزاب میں موجود ہے۔ پس یہاں عورتوں اور مردوں دونوں کے اچھے صفات یکساں طور پر بیان فرمائے۔ اور جو سچی اطاعت اور کامل عبودیت، محبت و رضا اور بذل نفس و مال کی تمام خصوصیات کے ساتھ ہمارے لئے ضروری ہے، ان مثالوں میں اس کا ایک عکس ہم کو دکھا دیا گیا۔ یہ عکس میاں اور بیوی کی محبت و اطاعت کا عکس ہے جو یقیناً ایک ناقص عکس ہے لیکن اسی ناقص عکس میں اس محبت کامل کا ہم جلوہ دیکھ سکتے ہیں جو بندہ اور خدا کے درمیان ہونی چاہیے۔ وللہ المثل الاعلیٰ۔

ان اعلیٰ صفتوں کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ خبث و خیانت ہے۔

حضرت ابن عباس سے ان دونوں عورتوں کے بارہ میں جو بات مروی ہے اس کی تحقیق اگلی فصل میں آئے گی۔

رہی تیسری اور چوتھی مثل تو وہ مومنین کی ہے۔ تیسری مثل میں اللہ تعالیٰ نے تبتل اور انابت الی اللہ کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔ اس آیت پر غور کرو

إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ	جب کہ اس نے کہا اے پروردگار میرے لئے
بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ	اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو فرعون
وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ	اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھ کو ظالم قوم سے

اس میں عندک (اپنے پاس) کے لفظ پر غور کرو، اس میں ہمارے لئے آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپی ہوئی ہے وہ بیان و توصیف کے حدود سے ماوراء ہے۔

چوتھی مثال، جیسا کہ ہم پچھلی فصل میں بیان کر آئے ہیں کمال نعمت کی تصویر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام اتمام نعمت اور مدد و نصرت اور فتح و غلبہ میں مومنین بالخصوص انصار کی مثال ہیں۔ آنحضرت صلعم کلمۃ اللہ ہیں۔ ہر چند کہ یہ لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مشہور ہے لیکن حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام تمام اوصاف کے جامع ہیں۔ اور مکاشفات یوحنا میں جہاں آنحضرت کی پیشنگوئی درج ہے وہاں آپ کا نام "امین" اور کلمۃ اللہ بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم تفسیر سورہ فیل کی ساتویں فصل میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

سورہ کے شان نزول اور واقعات سے ان مثالوں کا تعلق

۱۰۔ ان مثالوں کو عام بندگان الٰہی سے جو تعلق ہے اس کی تفصیل سے ہم فارغ ہو گئے لیکن سورہ کے آغاز میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس سے اس کے تعلق کی توضیح ابھی باقی ہے اور اب

وقت آگیا ہے کہ ہم اس کی طرف متوجہ ہوں۔

یہ معلوم ہے کہ اس سورہ میں شدت احتساب کی تعلیم ہے چنانچہ اس کا آغاز ایک ایسے واقعہ سے ہوتا ہے جو نہ صرف بظاہر معمولی نظر آتا ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے مستحسن بھی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سورہ اس سے روکتی ہے تاکہ ہم پر حکمت الٰہی کا یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ دین و شریعت کے معاملہ میں کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی بچنا چاہیے، ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔ دامن دل پر پہلے غبار کا ایک ذرہ بیٹھتا ہے لیکن اگر اسے جھاڑ نہ دیا جائے تو اسی پر میل کچیل کی ایک موٹی تہ جم جاتی ہے اور پورا دل اس میں چھپ کر تاریک ہو جاتا ہے۔

پس اس سورہ میں، جو پاکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتایا ہے کہ ذات الٰہی کے معاملہ میں ہم کو اپنے بڑے قرابت داروں سے قطع تعلق کر لینا چاہیے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اور اس کی امانت کی پورے اہتمام سے نگرانی کرنی چاہیے۔ یہ ایک بہت بڑی آزمائش اور ایک سخت و شدید امتحان ہے جس سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ سورہ ممتحنہ میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی ایسے شخص کے سامنے افشائے راز جو اس کا اہل نہیں ہے، ایک بہت بڑی خیانت ہے۔ رازداری اصلاح و درستگی کی بنیاد ہے اگر اس میں کسی طرح کا رخنہ پیدا ہوا تو گویا اصلاح کار کی بنیاد اکھڑ گئی۔ یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ امیر و مامور کے تعلق میں ایک جھلک میاں بیوی کے تعلق کی ہے۔ امیر کا فرض ہے کہ اپنے تمام ماتحتوں کو رموز مملکت میں شریک کرے اور ان سے مشورہ لے۔ خود آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو شریک مشورہ و راز بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے محرمان اسرار کی ایک خاص جماعت تھی جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے لوگ تھے۔

صف اول کے ان صحابہ کے علاوہ دوسرے صحابہ بلکہ عام مسلمان تک بہت سے ایسے رازوں سے واقف تھے جن کا کفار کے سامنے اظہار جائز نہ تھا۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ شرکت راز و مشورہ ہی رشتۂ اتحاد و محبت کی اصلی گرہ ہے۔ تمدنی زندگی میں اس چیز کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض غیر مسلم قوموں میں یہی چیز خاص فرقوں کے وجود و قیام کا سبب بن گئی، جنکا جماعتی وظیفہ یہ قرار پایا کہ بعض مخصوص اسرار کی نسلاً بعد نسل حفاظت کریں۔ فرامیسن، اسی طرح کی ایک جماعت ہے۔ اگر یہ اپنے راز کی حفاظت نہ کر سکیں تو گویا جماعت کے اندر انھوں نے اپنی ہستی کھو دی۔ ہمارے یہاں حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ المستشار موتمن، جس سے مشورہ لیا گیا وہ امین راز ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو قرآن مجید نے ہدایت فرمائی ہے کہ اہم امور کی اطلاع صرف ارباب حل و عقد کو ہونی چاہیے۔ سورہ نساء میں ہے:-

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ	اور جب ان کو امن یا اندیشہ کی کوئی خبر پہنچتی ہے اس کو
أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ	فوراً مشتہر کر دیتے ہیں حالانکہ اگر اس کو رسول
إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ	کے سامنے اور اپنے ارباب حل و عقد کے سامنے
مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ	پیش کرتے تو وہی لوگ ان میں سے اس کو
مِنْهُمْ	جانتے جو اس کی تہ کو پہنچتے ہیں۔

پس چونکہ رازداری کو کسی قوم کے کیرکٹر میں ایک بنیادی حیثیت حاصل تھی اس لئے جب تقدیر الٰہی سے ایک مناسب حال واقعہ ظہور میں آگیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلی قدر و منزلت واضح فرما دی۔

سورہ کا آغاز دو واقعات سے ہوا ہے۔ ایک میں ایک ایسی قسم کے توڑنے کا حکم دیا گیا ہے جو نیکی اور تقویٰ سمجھ کر کھائی گئی تھی، دوسرے میں ایک راز کے افشا پر سرزنش ہو

جو بربنائے اخلاص و اعتماد ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اب آخر میں اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے کہ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں مداہنت کا انجام بالاخر وہ کفر و نامرادی ہے جو نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کے حصہ میں آئی۔ ان دونوں نے اپنے شوہروں کے رازوں کی حفاظت نہ کی اور خدا کے قہر و غضب کی مستحق ہوئیں۔

پس اوپر کی دونوں مثالوں میں عبرت و تنبیہ کا ایک عام درس ہے، جس میں امت اور آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات یکساں شریک ہیں تاکہ فرمانبرداری اور پاس امانت میں وہ کمال درجہ حاصل کر کے نبی کی صحبت و معیت کے لائق ٹھہریں اور قیامت کے دن فضل الٰہی سے محروم نہ ہوں۔

پھر دوسری دو مثالیں کمال فرمانبرداری اور کمال انابت کی مثالیں ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ کامل اطاعت کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا ہے؟ اور تاکہ پیغمبر کے ساتھ ان کی وابستگی ویسی ہی ہو جیسی جسم و روح کی وابستگی ہے اور اس نور و سرور میں سے ان کو حصہ ملے جو پیغمبر کے لئے مقدر ہے اور جس کی تفصیل سورہ حدید کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

یہی اس تزکیہ کی حقیقت ہے جس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ ان کو پاک کرے گا اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا۔ اور یہی وسیلۂ تکمیل شریعت وا تمام دین ہے۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بما اراد وھو الھادی الی سبیل الرشاد

اقسام القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحان الذی انطق کل شیٔ بانہ صنع یدہ، وغذی رفدہ. تسبح الشمس لکبریائہ ومجدہ، ویسجد لہ القمر بجبینہ وخدہ، یتنھدلہ البر بغورہ ونجدہ، ویحمد الیہ البحر بجزرہ ومدہ. کما قال تعالیٰ فی کتابہ. تسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیھن وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ. ونصلی علی محمد رسولہ المختار وعبدہ، وعلی الہ وصحبہ المعتصمین بحبلہ وعھدہ. والتابعین لھم علی سواء السبیل وقصدہ۔

یہ کتاب اقسام قرآن کے بیان میں ہے۔ ہماری کتاب "تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان" میں جن کلمات اور امور سے تعرض کیا گیا ہے ان کے لئے ہم نے ایک علیحدہ[1] مقدمہ لکھا ہے، تاکہ کتاب کے پڑھنے والوں پر ان کا بار بار ذکر بار نہ ہو۔ اس رسالہ کو اسی مقدمہ کا ایک جزء سمجھنا چاہئے۔ اس میں قرآن مجید کی قسموں کے متعلق تمام اصولی مباحث کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ تفسیر میں جہاں ضرورت ہوگی ان مباحث کا حوالہ دیدیا جائے گا۔ قرآن مجید میں قسمیں بہت آئی ہیں۔ اور لوگوں کو ان کے معنی اور ان کے فوائد کے متعلق طرح طرح کے شکوک ہیں۔ تفسیر میں جس میں ایجاز و اختصار کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ جگہ جگہ ان قسموں سے تعرض کرنا

---

[1] الاصلاح:- یہ مقدمہ دائرہ حمیدیہ نے "فاتحہ تفسیر نظام القرآن" کے نام سے چھاپکر شائع کر دیا ہے۔ قیمت ۸؍ ہے۔

موجب طوالت اور کتاب کے قرارداده مسلک کے بالکل خلاف ہوتا پس میں نے بہتر سمجھا کہ ایک مختصر رسالہ میں اس مسئلہ پر ایک کلی بحث کردی جائے۔ جزئی تفصیلات اپنے اپنے مواقع میں آئیں گی۔

اس عنوان پر قدماء میں سے صرف علامہ ابن قیمؒ کی التبیان کی مجھے خبر ہے۔ کہیں کہیں امام رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں تعرض کیا ہے۔ مناسب مواقع پر ان دونوں کتابوں کے ضروری مباحث کے حوالے اس کتاب میں ملیں گے۔ واللہ الہادی الی سبیل السلام۔

(۲) قرآن مجید کی قسموں کے متعلق تین شبہے

اس بحث کا اصل مقصد چونکہ بعض شبہات کا ازالہ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پہلے یہ شبہات بیان کردوں تاکہ کتاب کے پڑھنے والے اس ... اصل مقصد سے بے خبر نہ رہیں جو اس کتاب کے تمام مباحث کا محور و مرکز ہے۔

قرآن مجید کی قسموں پر تین طرح کے شبہے وارد کئے گئے ہیں۔

ا۔ قسم فی نفسہ اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کے منافی ہے۔ اپنی بات پر قسم وہ شخص کھاتا ہے جو اپنی ذات کو حقیر سمجھتا ہے جس کو بھروسہ نہیں ہے کہ لوگ اس کی بات باور کریں گے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ ولا تطع کل حلاف مھین، ہر ذلیل قسم کھانے والے کی بات نہ سنو جس سے صاف واضح ہے کہ قسم کھانا ایک ذلیل عادت ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے قسم کھانے کی مطلقاً ممانعت فرمائی ہے۔ "تمہاری بات ہاں، ہاں یا نہیں نہیں ہو۔ قسم مت کھاؤ۔"

ب۔ قرآن مجید میں قسمیں نہایت اہم امور پر کھائی گئی ہیں۔ مثلاً معاد، توحید، رسالت اور معلوم ہے کہ ان امور میں قسم بالکل بے فائدہ چیز ہے۔ نہ اس سے منکر کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا نہ مومن کو۔ منکر دلیل و حجت کا طالب ہوتا ہے اور قسم کو دلیل و حجت سے تعلق نہیں۔ اور مومن کسی چیز کا طالب

نہیں، وہ پہلے ہی سے ان حقائق پر ایمان لا چکا ہے۔

ج۔ قسم ایسی چیز کی کھائی جاتی ہے جو عظیم الشان اور جلیل القدر ہو۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے: "جو قسم کھائے اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے" یعنی غیر اللہ کی قسم کی آپ نے ممانعت فرمادی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات کیسے زیبا ہے کہ وہ مخلوقات کی قسم کھائے اور وہ بھی انجیر، زیتون جیسی حقیر اشیاء کی۔

یہ تین شبہے ہیں۔ امام رازی اور دوسرے متقدمین نے ان شبہات کے جو جواب دیئے ہیں ہم پہلے ان کو بیان کریں گے۔ اور ساتھ ہی بالاجمال ان کی کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کریں گے۔ کیونکہ کوئی کمزور بات قبول کرلینا دین میں ایک نہایت سخت و شدید فتنہ ہے۔ یہی رخنے معاندین کو دراندازی اور زبان درازی کی راہ دیتے ہیں۔ تاہم ان علماء نے حمایت حق کی راہ میں جو کوشش کی ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا صلہ دے اور ہم کو بھی حق کے اعوان و انصار میں بنائے

(۳) امام رازی کا جواب

امام رازی نے اپنی کتاب میں دوسرے شبہہ کو ذکر کرکے تفسیر سورہ والصّٰفّٰت میں اس کا یوں جواب دیا ہے:-

"جواب کے مختلف پہلو ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری صورتوں میں نہایت یقینی دلائل سے توحید، بعث، اور قیامت کو ثابت کردیا ہے۔ چونکہ یہ دلائل گزر چکے ہیں اور انکی تقریر بھی دور نہیں ہوئی ہے اس لئے دلائل سے درگذر کرکے بطور تاکید قسم کو ذکر کیا اور یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ قرآن عربی زبان میں اترا ہے اور کسی

دعویٰ کو قسم و یمین کے ذریعہ ثابت کرنا اہل عرب کا مالوف طریقہ ہے۔"

یہ اخیر والی بات یعنی قسم کے ذریعہ اثبات مدعا عربوں میں معلوم و متعارف ہونا پہلے شبہ کا بھی جواب ہے۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم سے پہلے دلائل بیان ہو چکے ہوتے ہیں، پس اصل اعتماد ان دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ قسم پر۔ قسم تو محض تاکید کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ عربوں کی عادت ہے۔ ہمارے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے، خود قرآن مجید سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ قسمیں اوائل وحی میں زیادہ ہیں بمقابلہ اخیر زمانہ وحی کے جبکہ دلائل پوری طرح واضح ہوتے ہیں۔

آگے جواب کی تقریر یوں ہے۔

"پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول" ان الٰھکم لواحد" (بیشک تمہارا معبود ایک ہے) کی صحت پر ان چیزوں کی قسم کھائی۔ پھر اس کے بعد وہ بات بتائی جو اللہ کے ایک ہونے کی یقینی دلیل ہے۔ یعنی رب السموات والارض وما بینھما ورب المشارق (آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مطالع کا رب ہے) اسکی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے" لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (اگر ان میں اللہ کے سوا بہت سے معبود ہوتے تو ان کا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا) میں یہ بات بیان فرما دی ہے کہ آسمان و زمین کا انتظام اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے پس یہاں جب فرمایا کہ ان الٰھکم لواحد تو اس کے بعد فرمایا کہ رب السموات والارض وما بینھما ورب المشارق" گویا پوری بات یوں ہوئی کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس عالم کے انتظام میں غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ ایک ہے پس اس دلیل پر غور کرو تاکہ تمہیں

توحید کا علم حاصل ہو۔"

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے بعد ایک ایسا قول لایا گیا ہے جس میں دلیل موجود ہے۔ پس اصل استدلال اس قول سے ہے نہ کہ قسم سے۔ قسم محض تنبیہ کے لئے ہے۔ یہ جواب پہلے جواب سے بالکل ملتا جلتا ہوا ہے۔ اور ان میں سے کسی جواب سے بھی قسم کی ان گوناگوں قسموں کی حکمت نہیں معلوم ہوتی جو قرآن مجید میں وارد ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کی قسم چھوڑ کر ان چھوٹی چھوٹی مخلوقات کی قسم کیوں کھائی گئی۔

آگے امام رازیؒ جواب کی تقریر فرماتے ہیں۔

"جواب کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس کلام سے مقصود بت پرستوں کے اس قول کی تردید ہے کہ بت خدا ہیں۔ پس انکی تردید میں گویا یوں کہا گیا ہے کہ مذہب اپنی رکاکت اور لغویت کے اعتبار سے ایسا ساقط ہے کہ اس کی تردید کے لئے اس طرح کی دلیل کافی ہے۔ واللہ اعلم"۔

حضرت امام رازیؒ کا یہ جواب نہایت پھسپھسا ہے۔ جواب کے پہلے دو پہلو بیان کرتے ہوئے گویا انھوں نے اعتراف کر لیا کہ قسم میں دلیل کا کوئی پہلو نہیں ہے اور پھر آخر میں فرمایا کہ حریف کا مذہب ہی اسی قابل تھا کہ اسکی تردید میں یہ غیر استدلالی اسلوب اختیار کیا جائے۔

اس کے علاوہ سورہ ذاریات کی تفسیر میں بھی انھوںؒ ان شبہات سے کسی قدر تعرض کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"قسم کی حکمت اور انکا لیکہ وہ نہایت بلند اور عظیم الشان مطالب و مسائل میں سے ہے، تفسیر سورہ والصّٰفّٰت میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہاں بھی ہم ان کو بیان کر دیتے ہیں۔ اس میں چند پہلو ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ کفار بعض اوقات اعتراف کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دلیلیں قائم کرنے میں ان سے زیادہ زوردار ہیں لیکن اس زور کو وہ آنحضرت صلعم کے

مجادلہ کا نتیجہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ خود اپنے قول کی غلطی سے واقف ہیں لیکن محض اپنے جدل کے زور سے (نہ کہ صدق مقال کے زور سے) ہم پر غالب آجاتے ہیں۔ یہ بالکل وہی بات تھی جیسا کہ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر حجت قائم کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ شخص محض اپنے علم اور جدل کے زور سے مجھ پر غالب ہو گیا ہے۔ اور میں اس چیز سے محروم ہوں۔ ورنہ وہ خود جانتا ہے کہ حق میرے ساتھ ہے۔ ایسی صورت میں دلیل قائم کرنے والے متکلم کے لئے قسم کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی۔ وہ جواب دیتا ہے کہ حق بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں تم سے کوئی مجادلہ باطل نہیں کر رہا ہوں۔ اگر وہ یہ طریقہ نہ اختیار کرے بلکہ دوسری دلیل بیان کرنی شروع کر دے تو اس دلیل کے ختم ہونے کے بعد بھی وہ وہی کہے گا کہ یہ دلیل بھی محض قوت مجادلہ کا کرشمہ ہے۔ پس خاموشی یا قسم اور ترک دلیل کے سوا کوئی راہ باقی ہی نہیں رہ جاتی۔"

یہ جواب اولاً تو صحیح و سقیم دونوں طرح کی باتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ ثانیاً اس جواب سے مصنف نے اپنے اس جواب کی خود تردید کر دی جو وہ تصنیف میں دیا تھا۔ وہاں جواب کے دوسرے پہلو کی تقریر کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ قسم کے بعد دلیل آتی ہے اور وہی اصل چیز ہوتی ہے قسم کا مقصود محض تاکید ہوتا ہے۔ یہ بات اپنے اندر ایک حقیقت رکھتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں کہیں بھی کلام قسم پر ختم نہیں ہو جاتا لیکن یہاں انھوں نے ایک بالکل دوسری ہی بات کہہ دی ہے۔ حالانکہ اگر وہ یہ کہتے کہ بعض اوقات مخاطب طریق استدلال سے ناواقفیت، یا اپنے فکر و نظر پر عدم اعتماد، یا متکلم کی سحر بیانی سے سوء ظن کی وجہ سے دلیل سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور ایسی حالت میں ضروری ہوتا ہے کہ حجت قسم کے ساتھ پیش کی جائے تو یہ ایک لگتی ہوئی بات ہوتی۔

اس کے بعد وہ جواب کے دوسرے پہلو کی تقریر یوں کرتے ہیں۔

"دوسرا یہ ہے کہ عرب جھوٹی قسم سے بہت ڈرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، اس کے اثر سے زمین ویران اور بنجر ہو جاتی ہے اور آنحضرت کا حال یہ تھا کہ آپ بیشتر نہایت اعلیٰ و اشرف چیزوں کی قسم کھاتے تو اس سے عربوں کو خیال ہوتا تھا کہ اگر یہ قسمیں جھوٹی ہوتیں تو اس کا وبال ضرور آپ پر نازل ہوتا اور اس کی نحوست سے آپ ہرگز بچ نہ سکتے۔"

اس جواب میں امام رازیؒ نے عربوں میں قسم کے مالوف و متعارف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ یہاں تک یہ بات صحیح ہے لیکن اس میں انھوں نے جو یہ اضافہ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم نے بیشتر اشرف و اعلیٰ چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ اضافہ انھوں نے محض قسم کو خوفناک چیز ثابت کرنے کیلئے فرمایا ہے کہ اشرف و اعلیٰ چیزوں کی قسم جھوٹ موٹ کھانا عرب موجب وبال سمجھتے تھے۔ حالانکہ بوجوہ ذیل یہ بات کچھ قوی نہیں معلوم ہوتی۔

۱۔ قرآن مجید میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ان میں بیشتر ایسی ہیں جن میں بظاہر کوئی شرف نہیں معلوم ہوتا۔

۲۔ قرآن میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ خدا کے سوا کسی چیز سے ڈرنا نہیں چاہئے۔

۳۔ انجیر اور زیتون وغیرہ کی قسم سے کس وبال کا اندیشہ ہو سکتا ہے؟

۴۔ آنحضرت صلعم قرآن مجید کی تبلیغ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے تھے، پس قسمیں بھی اللہ کی طرف سے ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کو کسی سے بھی اندیشہ نہیں

بہر حال اگر امام رازیؒ صرف جواب کے پہلے حصہ پر قناعت کرتے اور اتنا ہی فرماتے کہ عرب جھوٹی قسم کے وبال سے بہت ڈرتے تھے اور یہ سمجھ کر کہ شریف آدمی کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتا

اس کی بات کا احترام کرتے تھے تو پہلے اور دوسرے شبہہ کا اس سے ایک سکزور سا جواب نکل آتا لیکن ان کی بعد کی تقریر تو بالکل ہی بے معنی ہے۔

اس کے بعد جواب کے تیسرے پہلو کی تقریر فرماتے ہیں۔

"تیسرا پہلو یہ ہے کہ تمام قسمیں جو اللہ تعالیٰ نے کھائی ہیں دراصل دلائل ہیں لیکن ان کو پیش قسم کی صورت میں کیا گیا ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھو کہ جیسے کوئی شخص اپنے محسن سے کہے کہ تمہارے بے شمار احسانات کے حق کی قسم میں تمہارا شکرگزار ہوں، اس میں اس کے بے پایاں انعامات کا ذکر دوام شکر کا سبب ہے البتہ اسلوب قسم کا ہے۔ یہی صورت یہاں ہے (سورہ ذاریات کی قسموں کی طرف اشارہ ہے) یہ تمام چیزیں اس امر پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کو قسم کی صورت میں کیوں پیش کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنی بات قسم سے شروع کرتا ہے تو مخاطب کو خیال ہوتا ہے کہ یہ کوئی اہم بات کہنے والا ہے اور اس کو خاص اہتمام سے سنتا ہے۔ پس اسی اصول پر یہاں بھی کلام کا آغاز قسم سے ہوا ہے اور دلیل قسم کے لباس میں پیش کی گئی ہے۔

یہ تقریر دوسرے شبہہ کے جواب کے لئے کافی ہے۔ لیکن جو شخص اس بات کا قائل ہو اس پر لازم آتا ہے کہ وہ قسم کا مقسم علیہ پر دلیل ہونا ثابت کرے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو ہر چند کہ بعض مقامات میں واضح ہے لیکن بیشتر نہایت شدید غور و فکر اور بحث و استدلال کی محتاج ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام رازیؒ نے اس اصول پر سورہ ذاریات اور بعض اور سورتوں کے سوا کہیں اعتماد نہیں کیا ہے۔ عام طور پر وہ دو طریقے اختیار کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے قسم کے قسم ہونے ہی سے انکار کر دیتے ہیں کہ نہ قسم مانیں گے نہ شبہات

و اعتراضات کے سہام سے مجروح ہوں گے۔ چنانچہ سورہ قیامہ کی تفسیر میں انھوں نے یہی مسلک اختیار فرمایا ہے۔ سورہ کے پہلے لفظ "لا" (نہیں) کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"دوسرا احتمال یہ ہے کہ 'لا' یہاں قسم کی نفی کے لئے ہو۔ گویا یوں فرمایا کہ میں اس دن کی اور اس نفس کی قسم نہیں کھاتا بلکہ بغیر قسم کھائے تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارا گمان ہے کہ تمہارے سڑگل جانے کے بعد ہم تمہاری ہڈیاں جمع نہیں کر سکتے اگر تمہارا یہ گمان ہو تو یاد رکھو کہ ہم قادر ہیں کہ ایسا کر دیں۔ یہی قول ابو مسلم نے اختیار کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے"۔

امام رازیؒ کی اس رائے کو کوئی عربی زبان کا جاننے والا کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر یہی بات ہوتی جو انھوں نے سمجھی ہے تو اس کو ایسے اسلوب میں ہونا تھا کہ جس سے مطلق قسم کی نفی ہوتی اس کو خاص خاص چیزوں مثلاً یوم قیامت، نفس لوامہ، خنس، جواری کنس وغیرہ کے ساتھ مقید کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر یہ بات عربی اسلوب کلام کے بھی خلاف ہے۔ عرب قسم سے پہلے حرف 'لا' استعمال کرتے ہیں اور وہ منقطع ہوتا ہے یعنی کلام ما بعد سے الگ۔ تفسیر سورہ قیامہ میں ہم اسکو بتفصیل بیان کر چکے ہیں اور یہی زمخشریؒ کا مذہب ہے۔

امام رازیؒ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ قسم کو مقسم بہ کی عظمت و شرافت کے لئے ایک طرح کی تاکید و تنبیہ سمجھتے ہیں۔ سورہ ذاریات کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا ہے کہ "قسم سے مقصود مقسم بہ کی عظمت و جلالت پر متنبہ کرنا ہوتا ہے"۔ یہی اصول انھوں نے سورہ تین کی تفسیر میں بھی اختیار فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"یہاں ایک اہم اشکال یہ ہے کہ تین اور زیتون کا شمار بلند اور اشرف چیزوں میں نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے زیبا ہے کہ وہ ان چیزوں کی قسم کھائے۔ اس سوال کے جواب میں دو قول ہیں"،

اس کے بعد انھوں نے تین و زیتون کے عام معنی فرض کرکے انجیر و زیتون کے فوائد پر تقریر کی ہے اور اگر ان سے دو جگہیں یا دو مخصوص مقام مراد ہیں تو ان کی عظمت و تقدس کو واضح کیا ہے۔ لیکن اولاً تو اس جواب کا ضعف مخفی نہیں ثانیاً اس سے تیسرے شبہہ کا کسی طرح بھی ازالہ نہیں ہوتا۔ یہ چیزیں اور ان کے ساتھ ساتھ اور بہت سی چیزیں جن کی قرآن مجید نے قسم کھائی ہے مثلاً ہانپنے والے گھوڑے، دبک جانے والے تارے، شب، صبح، انجیر، زیتون، وغیرہ کسی صورت میں بھی یہ رتبہ نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کسی چیز کی قسم اس کے رتبہ و عظمت کی وجہ سے کھائی جاتی ہے تو کیونکر ان کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ان کی قسم کھائے۔

(۴) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا مسلک

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں رد و جواب کا طریقہ اختیار نہیں کیا ہے کہ شبہات وارد کریں اور پھر ان کے جواب دیں۔ انھوں نے حکمت قسم سے بحث کی ہے اور ایسی باتیں بیان فرمائی ہیں جن سے شبہات کا ازالہ ہوتا ہے اور اعتراضات کی جڑ کٹتی ہے۔ جہاں تک ان کے اصلی جواب کا تعلق ہے میں اس کو اچھا سمجھتا ہوں لیکن امام رازی کی طرح وہ بھی اس جواب پر پوری طرح جازم نہیں ہیں بلکہ مذبذب اور متردد ہیں وہ اپنی کتاب میں بسا اوقات قسم والی سورتوں کی تفسیر شروع کرتے ہیں لیکن کسی ایک اصول کو مضبوطی سے نہیں پکڑتے۔ کبھی کچھ کہہ دیتے ہیں کبھی کچھ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے جواب کا خلاصہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کے سامنے پیش کر دوں، اور اپنے طریقہ کے مطابق اس میں جو کمزوریاں ہیں ان کی طرف بھی اشارہ کر دوں۔

علامہ ابن قیمؒ کے متعلق پہلی بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ انھوں نے استقرا کا طریقہ اختیا

کیا ہے یعنی پہلے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ قرآن میں تمام قسمیں اللہ اور اس کی صفات اور اس کی آیات کی قسمیں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ بعض چیزوں کی بعض چیزوں پر قسمیں کھاتا ہے۔ اور اس کی قسم اپنی ذات کی ہوتی ہے جو ان صفات اور ان آیات سے متصف ہے جو اس کی ذات و صفات کو مستلزم ہیں اور یہ جو بعض مخلوقات کی قسم کھائی ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مخلوقات اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان آیات میں سے ہیں۔"

چند مثالیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"اس امر کو سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی ان اصولی باتوں پر قسم کھاتا ہے جن کی معرفت مخلوق پر واجب ہے۔ چنانچہ کبھی توحید پر قسم کھاتا ہے کبھی قرآن کے حق ہونے پر کبھی رسول کی صداقت پر کبھی جزا و سزا و عدہ وعید کے وقوع پر اور کبھی انسان کے حال و مآل پر۔"

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک تمام قسمیں تین چیزوں میں منحصر ہیں اور ان تینوں کا مآل بھی جیسا ابھی خود ان کے بیان سے واضح ہو جائیگا، ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صنعت کا اظہار۔

اس تمہید کے بعد علامہ ابن قیمؒ کو جواب قسم کی کچھ ایسی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ ان کے نزدیک مقسم علیہ معلوم و متعین ہے۔ یعنی توحید، نبوت، معاد، اور قسم خود بخود ان پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ وہ سورہ عادیات اور سورۂ العصر کی قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہاں جواب قسم حذف کر دیا گیا کیونکہ یہ معلوم ہے کہ انہی تین امور (توحید، نبوت، معاد) پر قسم کھائی جاتی ہے اور یہ تینوں باہم لازم ملزوم ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ رسول حق ہے تو قرآن اور معاد بھی ثابت ہو گیا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن حق ہے تو اس رسول کی صداقت بھی ثابت ہو گئی جو اس کو لیکر آیا ہے اور جب وعدہ وعید کا حق ہونا ثابت ہوگا تو رسول کی صداقت اور اس کتاب کی صداقت بھی ثابت ہو گئی جس میں وعدہ وعید وارد ہے۔ اور جواب کبھی حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کا ذکر مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہاں محض مقسم بہٖ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ قسم کھانے کی

والی چیزوں میں سے ہے۔"

پس یہ تمام قسمیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات پر دلیل ہیں چنانچہ وہ سورہ بروج کی قسم کی نسبت فرماتے ہیں۔

"یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں اور اس کی وحدانیت کے شواہد ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں۔

"اور اولیٰ یہی ہے کہ یہ قسم جواب سے مستغنی ہو کیونکہ یہاں مقصود مقسم بہ پر متنبہ کرنا اور یہ بتانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ہے۔"

یہی بات سورہ طارق کی قسم کی بابت فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے آسمان اور اس کے روشن ستاروں کی قسم کھائی اور ان میں سے ہر ایک اس کی توحید کی نشانیوں میں سے ہے۔"

اس سورہ کے وسط کی قسم کی بابت فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے بارش والے آسمان اور نباتات سے معمور زمین کی قسم کھائی اور ان میں سے ہر ایک اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جو اس کی ربوبیت پر دلیل ہے۔"

سورہ انشقاق کے اخیر کی قسم کی بابت فرماتے ہیں۔

"یہ یعنی شفق، لیل، اور قمر اور اس طرح کی تمام چیزیں نشانیاں ہیں جو خدا کی ربوبیت پر دلیل ہیں اور اس کے صفات کمال کے علم کو مستلزم ہیں۔"

اس قسم کے جواب کی نسبت فرماتے ہیں۔

"جاننا ہے کہ یہ اس قسم میں سے ہے جس کا جواب محذوف ہوتا ہے۔"

اور ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ علامہ ابن قیمؒ کو جواب قسم کے لئے کچھ ایسی کرید نہیں ہے کیونکہ مقسم علیہ ان کے نزدیک بالکل معلوم و متعین ہے۔ اس تفصیل کے بعد امام رازیؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے طریق کا فرق بالکل واضح ہو گیا۔ امام رازیؒ مختلف جوابات کی طرف اشارے کرتے ہیں اور بعض اوقات یہ جواب باہم گر متناقض ہوتے ہیں۔ لیکن علامہ ابن قیمؒ نے ایک متعین راہ اختیار کی ہے اور تمام قسموں کی تاویل میں اسی ایک راہ پر چلتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ طریقہ بہتر ہے۔

اب ہم علامہ ابن قیمؒ کے طریق جواب کا لب لباب سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ان کے پیش نظر دو بنیادی اصول ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قسمیں اپنی ذات اور اپنی آیات کی کھائی ہیں، جہاں کہیں مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم کھائی ہے تو وہ بھی اصلاً اس کی ذات ہی کی قسم ہے کیونکہ وہ چیز بھی اس کی آیات میں سے ہے

اس سے انھوں نے اس تیسرے شبہہ کا ازالہ کرنا چاہا ہے جو کسی مخلوق کی اس کے رتبہ سے زیادہ تعظیم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے لیکن یہ شبہہ اس کے بعد بھی علی حالہ قائم رہتا ہے کیونکہ قسم کا تعلق تو بہرحال ایک شے مخلوق سے ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے صفات کے دلائل میں سے ہونا اس کو مقسم بہ ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں ان کا یہ فرمانا کہ

"جواب قسم کبھی حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کا ذکر مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقسم بہ کی تعظیم اور یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ قسم کھانے کی چیزوں میں سے ہے۔"

اس امر کی صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات برتر کے علاوہ اور چیزوں کی

قسم کھائی ہے اور اس سے مقصود اپنی بعض مخلوقات کی تعظیم ہے۔ اس کا خلاصہ یقیناً یہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بعض چیزوں کی قسم کھانا ان کی عزت و شرف ہی کے پہلو سے ہے اور اس میں کوئی ہرج نہیں کہ وہ اپنی بعض مخلوقات کو عزت و شرف سے نوازے۔ شبہہ اس میں نہیں ہے کہ بعض چیزیں اشرف و برتر کیوں ہیں، اعتبارات کے اختلاف سے کتنی حقیر چیزیں اشرف و اعلیٰ اور کتنی اشرف چیزیں حقیر و ادنیٰ ہو سکتی ہیں۔ شبہہ اس امر میں ہے کہ کسی شے کو شرافت و علو کا وہ مقام بلند حاصل ہو جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اسکی قسم کھائے۔

۲۔ دوسری اصل جس پر علامہ ابن قیم نے اعتماد کیا ہے، یہ ہے کہ تمام قسمیں مقسم علیہ پر دلیل ہیں۔ اس سے انھوں نے تیسرے شبہہ کا ازالہ کرنا چاہا ہے۔ یہ اصل امام رازی رحمہ اللہ کے سامنے بھی ہے لیکن یہ ان کے ترکش کے بہت سے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس کو استعمال کرنے سے وہ جھجکتے ہیں۔ لیکن علامہ ابن قیمؒ کا یہ حال نہیں۔ وہ اسی اصل پر پورا اعتماد رکھتے ہیں اور اکثر آیات قسم کی انھوں نے ایسے طریق پر تاویل و تفسیر کی ہے کہ جس سے مقسم بہ کی دلالت مقسم علیہ پر واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ جہاں کہیں ان کو اشکال پیش آیا ہے وہاں انھوں نے مقسم علیہ کو محذوف قرار دیکر قسم کو صفات الٰہی پر دلیل قرار دیدیا ہے۔

باوجود اس ضعف کے جو ان کے جواب میں موجود ہے اور باوجود ان کی اس تصریح کے کہ کبھی کبھی قسم مقسم بہ کی تعظیم کے لئے ہوتی ہے اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ انھوں نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے قابل قدر لکھا ہے اور ان کی کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات ایسے ہیں جن میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تیر نشانہ پر پہنچا ہے۔

(۵) اس کتاب کا طریق جواب

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس باب میں ہمارے نزدیک صحیح مذہب ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ قسمیں دلیل ہیں۔ لیکن اگر ایک طرف یہ حضرات اپنے سامنے یہ روشنی رکھتے ہیں تو دوسری طرف اس شبہہ میں بھی گرفتار ہیں کہ قسم میں مقسم بہ کی تعظیم کا پہلو بھی ہوتا ہے یہی وہ ظن باطل ہے جو درحقیقت اقسام قرآن کے باب میں تمام شبہات کا سرچشمہ اور حقیقت کے چہرہ پر نقاب ہے۔ پس پہلے ہم اس ظن باطل کی تردید کریں گے کہ قسم کو مقسم بہ کی تعظیم سے کوئی تعلق ہے۔...... تعظیم محض بعض قسموں سے سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہم اس امر کی تصریح کریں گے کہ مخلوقات کی قسمیں تمام تر از قبیل دلائل ہیں اور قسموں کی یہ قسم تعظیمی اقسام سے بالکل علحدہ ہے۔ نیز یہ صفات الٰہی کی قسم بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے لکھدیا ہے۔
اس کے بعد ہم قسم کے محمود اور غیر محمود مواقع کی تفصیل کریں گے تاکہ یہ واضح ہو کہ قسم کی مطلق ممانعت صحیح نہیں ہے۔

یہ تین امور ہیں جو اس کتاب میں بحث و نظر کے محور ہوں گے اور چونکہ ان کو پوری طرح روشنی میں لانے کے لئے بعض تفصیلات ناگزیر ہیں اس لئے مجبوراً ہم کو قسم کی تاریخ قدیم و جدید زمانہ میں اس کی ضرورتیں اور اس کے مختلف انواع و اقسام وغیرہ بھی پیش کرنے پڑیں گے۔ اور اس ضمن میں ہم کلمات قسم کے معانی، قسم کا اصل مفہوم اور اس کے تین فرعی مفہوم یعنی اکرام، تقدیس، اور استدلال وغیرہ سب سے تعرض کریں گے۔
پھر اقسام کی تاویل میں خود قرآن سے نہایت واضح دلیل پیش کریں گے اور اپنے پیشرو علماء کے عذر کو واضح کرنے کے لئے اس کے وجوہ خفا پر بھی بحث کریں گے۔

علاوہ ازیں، اقسام قرآن کی بلاغت، قسم کی نہی، اباحت، اور استحسان کے پہلو حضرت شیخ کی ممانعت قسم کی توجیہ وغیرہ امور بھی روشنی میں آئیں گے اور آخر میں ایک سرسری اشارہ ہم اس امر کی طرف بھی کریں گے کہ قرآن مجید نے الفاظ قسم کے فرق و امتیاز میں کس بلاغت کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ ہم الفاظ قسم کے محل و موقع پہچان سکیں۔

یہ مطالب کتاب کا ایک اجمالی بیان تھا۔ اب ہم ان کی تفصیل و تشریح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں واللہ الموفق ونعم الوکیل۔

(باقی)

فاتحہ نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان

یہ کتاب، استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تین کتابوں کا مجموعہ ہے۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، تفسیر آیت بسم اللہ، تفسیر سورہ فاتحہ۔ مقدمہ میں مولاناؒ نے اپنی تفسیر کے تمام اصول بیان کئے ہیں اور ان میں ان تمام اصولی مباحث سے تعرض کیا ہے جن کی قرآن پر تدبر کرنے والے ہر طالب علم کو ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ اصولی مباحث سترہ ہیں۔

آخر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ ان تفسیروں میں مصنف نے جو حکیمانہ نکات وحقایق بیان کئے ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

جو لوگ قرآن مجید کو محققانہ طریق پر سمجھنا چاہتے ہیں ان کیلئے اس مقدمہ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے باطنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اسکی ظاہری کتابت و طباعت اور کاغذ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

قیمت:- بارہ ۱۲ آنے۔

منیجر

لا اقسم بہذا البلد

(نہیں، مجھے قسم ہے اس شہر کی)

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

قرآن مجید میں سورہ بلد کی قسمیں بھی غور و تدبر کی محتاج ہیں، ہم ذیل میں مختصراً ان پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔

بلد کے بارے میں مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ اس سے سرزمین مکہ مراد ہے۔ البتہ والد وما ولد کی قسم کے بارے میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔ ہم ذیل میں انکی رایوں کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

۱۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ والد سے حضرت آدمؑ اور ما ولد سے انکی ذریت مراد ہے۔

۲۔ بعض بزرگوں کے نزدیک والد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ما ولد سے انکی ذریت مراد ہے۔

۳۔ بعض لوگ والد سے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو اور ما ولد سے محمد صلعم کو مراد لیتے ہیں۔

۴۔ بعضوں کے نزدیک والد وما ولد عام ہیں، ان سے کوئی مخصوص ذات مقصود نہیں بلکہ عام اولاد آدم مراد ہے۔

یہ چاروں اقوال بظاہر مختلف نظر آتے ہیں لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ "والد وما ولد" کے عموم کو باقی رکھتے ہوئے ہم اس سے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور ان کی ذریت کو مراد لے سکتے ہیں۔ یہ ایک عام لفظ اپنی عمومیت کو باقی رکھتے ہوئے ایک خاص مفہوم کی طرف بھی اشارہ کرے گا۔ اور یہ اشارہ و انت حل بہذا

"البلد" کے الفاظ سے نمایاں بھی ہوگیا ہے۔ پس ہمارے نزدیک یہ اسلوب معنی عام اور معنی خاص دونوں کا حامل ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ والنصر کی پہلی فصل اس باب میں رہنمائی کرے گی۔

یہ جان لینے کے بعد کہ بلد سے شہر مکہ اور والد و ما ولد سے عام اولاد آدم اور بالخصوص نبی اسمٰعیل مراد ہیں، تحقیق طلب بات یہ ہے کہ ان قسموں کا مقسم علیہ کیا ہے؟ اور قسم اور مقسم علیہ میں مناسبت کیا ہے؟ یہ دونوں سوال بہت اہم ہیں اور انہیں کے حل پر اس بحث کا فیصلہ ہے لیکن مقسم علیہ کی پوری تفصیل بغیر مضمون سورہ معلوم کیے سمجھ میں نہیں آسکتی اس لئے پہلے ہم پیش نظر سورہ کا عمود بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد دلیل و دعویٰ یعنی قسم اور مقسم علیہ میں مناسبت کے پہلو واضح کریں گے۔

سورہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"نہیں مجھے قسم ہے اس شہر کی، اور تو اسی شہر میں مقیم ہے اور باپ اور بچے کی، کہ بیشک ہم نے آدمی کو تکلیف میں پیدا کیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا نہیں دیں ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان و لب اور سوجھائیں اسے دو راہیں۔ سو وہ گھاٹی میں نہ گھسا اور کیا سمجھا گھاٹی کو۔ گردن کا چھڑانا ہے یا قحط کے دن کھلانا ہے۔ رشتہ دار یتیم کو یا خستہ حال مسکین کو۔ پھر ان میں سے ہو جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کھانے کی نصیحت کرتے رہے۔ یہی لوگ خوش نصیب ہیں اور جنھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بدنصیب ہیں وہ آگ میں بند ہوں گے۔"

اس سے نہایت صاف واضح ہے کہ اس سورہ میں مخاطب قریش کے وہ دولتمند

اور مالدار لوگ ہیں جو خدا کے فضل اور اس کے گھر کی تمام برکت سے متمتع ہونے کے بعد، شکر کے بجائے کفر اور خدمت خلق کے بجائے استکبار اور زمین میں فساد کے مرتکب ہوتے اور خود بخل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے تھے۔ ان لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے انسان کے مشقت میں پیدا ہونے کا ذکر فرمایا اور اس مشقت پر سرزمین مکہ اور باپ اور بچے کی قسم کھائی اور پھر یاد دلایا کہ جس خدا نے تمہاری اس مشقت کو دور کر کے تمہیں طرح طرح کی نعمتیں دیں افسوس ہے کہ تم اس کی نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتے۔

مکہ کی سرزمین کا پر مشقت ہونا ایک ایسی واضح بات ہے کہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ایک ایسی سرزمین کہ جس میں نہ پانی ہے، نہ غلہ، نہ کھیتی کے لئے زرخیز زمین کے میدان ہیں، نہ جانوروں کے لئے شاداب چراگاہ۔ ایک چٹیل اور بے گیاہ سرزمین تھی جہاں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کو بسایا اور دعا فرمائی کہ

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي	اے ہمارے پروردگار میں نے تیرے محترم گھر کے
بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ	پاس اس بیابان میں جہاں کھیتی نہیں اپنی
بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا	اولاد بسائی ہے تاکہ اے ہمارے پروردگار
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً	یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں پس لوگوں کے
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَ	دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے
ارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ	...... اور پھلوں سے انھیں روزی
يَشْكُرُونَ۔	دے تاکہ یہ تیرا شکر کریں۔

اس دعا کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ یہ ویران سرزمین اہل عرب کے لئے جنت ارم بن گئی۔ جہاں امن نہ تھا وہاں اس گھر کی برکت سے امن ہوگیا، جہاں کھیتی باڑی کا کوئی سامان نہ تھا وہاں اللہ تع

نے پھلوں کی روزی دی، جو ایک چٹیل میدان میں بالکل تنہا تھے وہ تمام دنیا کے
دلوں اور ان کی محبتوں کے مرکز بن گئے۔ یہی وہ مخصوص انعامات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ
نے سورۃ القریش میں یاد دلایا ہے۔ اور ساتھ ہی ان انعامات و برکات کا جو حق ہے
اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

"اس لئے کہ قریش کو الفت بخشی جاڑے اور گرمی کے سفر میں تو ان کو
چاہئے کہ عبادت کریں اس گھر کے خداوند کی جس نے انھیں کال میں کھلایا اور
ڈر میں مجبت کیا"

دوسری جگہ اپنے اسی فضل خاص کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ	اور وہ کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ ہدیٰ
مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا	حق کی پیروی کریں تو ہم اپنی جگہ سے
أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا	اچک لئے جائینگے، کیا ہم نے ان کو حرم میں جہاں
آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ	ہر طرح کا امن ہے جگہ نہیں دی ہر قسم کے پھل
كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا	یہاں کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے یہاں سے
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ	یہ رزق ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے ہیں

یہ وہ فضل و کرم ہے جو اہل عرب پر بیت اللہ کی برکت سے نازل ہوا اور یہ پُر مشقت
سرزمین ان کے لئے امن کا گہوارہ، نعمتوں اور برکتوں کا سرچشمہ، عنایتوں اور نوازشوں کی فردوس بنگئی۔
علاوہ ازیں عرب کے مخصوص حالات کے لحاظ سے عام نعمتیں بھی ان کو ایسی حاصل ہوئیں جو
ان کو شکر کی دعوت دیتی تھیں۔ مثلاً سورہ نحل میں فرمایا

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ	اور چوپائے تمہارے لئے پیدا کئے جنہیں تمہارے

فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ	تمہارے لئے گرمی کا سامان اور دوسرے
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ	فوائد ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو
فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ	اور تمہارے لئے انہیں جمال زینت ہے جبکہ شام
وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ	کو تم ان کو چرا کر واپس لاتے ہو اور صبح
أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ	کو چراگاہ لے جاتے ہو اور یہ تمہارے بوجھ ایسے
تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ	شہروں تک لیجاتے ہیں جہاں تک تم بغیر انتہائی
الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ	مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بیشک تمہارا
رَّحِيمٌ	پروردگار مہربان اور رحم والا ہے۔

عرب جیسی سرزمین میں جہاں انسانی تدبیروں کی درماندگی اور بے بسی سب سے
زیادہ نمایاں ہے اور ہر قدم پر انسان وسائل کار اور اسباب معیشت کی کمی کو اپنی دونوں آنکھوں سے
دیکھتا لیکن ساتھ ہی اپنے کو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کے اندر گھرا ہوا پاتا ہے۔ اگر انسان اپنے
ضعف و عجز کو نہ دیکھے اور غرور سے اکڑے تو یہ اس کی انتہائی بدبختی اور شقاوت ہے۔ پس
اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو شہادت میں پیش کرکے انسان کے ضعف و عجز اور اسکی مشقت کو یاد دلایا ہے
اور پھر اسکی ناشکری پر ملامت کی ہے کہ اس بے بسی کے باوجود اس ضعیف و ناتوان کے کبر و غرور کا کیا حال ہے!
یہ قسم کی تاویل ہم نے اس کے خاص مفہوم کے لحاظ سے کی ہے۔ اس سلسلہ میں انسان
کا عام ضعف و عجز اور اس کی پُر مشقت زندگی بھی قابل غور ہے۔

سورہ روم میں فرمایا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم	خدا ہی ہے جس نے تم لوگوں کو کمزور
مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ	حالت سے بنا کھڑا کیا اور پھر کمزوری کے

مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً	بعد توانائی دی پھر توانائی کے بعد
ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ	کمزوری اور بڑھاپا طاری کیا، جو چاہتا
ضَعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا	ہے پیدا کرتا ہے اور وہی جاننے والا
يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ	اور قدرت والا ہے۔

ایک اور مقام پر یوں ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ	کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اس کو پانی
مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ	کی ایک بوند سے پیدا کیا پھر وہ علانیہ جھگڑالو
مُّبِيْنٌ (یٰسین)	بن گیا۔

یعنی اس ضعیف اور عاجز مخلوق کا حق تھا کہ وہ خدا کی شکرگذاری کرے۔ اور اپنی بے بسی اور بے حقیقتی کو نگاہ میں رکھے، مگر اس کے کبر کا یہ حال ہے کہ اس نے خود اپنے پیدا کرنے والے سے لڑائی مول لے لی ہے۔

ایک اور جگہ یہی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ	بلاشبہ انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے
مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا	کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے انسان کو
مَّذْكُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	مرکب نطفے سے پیدا کیا۔ اس کو الٹتے پلٹتے
مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ	رہے۔ پھر ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے
فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا	والا بنایا۔

انسان کی بے بسی ولاچارگی اس وقت اور بے نقاب ہوجاتی ہے جب وہ بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتا ہوتا ہے اور اس کے تمام اعزہ و اقارب موجود ہوتے ہیں مگر سب عاجز و درماندہ کچھ

بنائے کچھ نہیں بنتی۔ سورہ واقعہ میں ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ	تو کیا جب جان گلے میں آ پہنچے اور تم اس وقت
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ	دیکھا کرتے ہو اور ہم تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ	اس سے۔ لیکن تم دیکھتے نہیں اگر تم خود مختار ہو
وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَآ	تو جان کیوں نہیں لوٹا لیتے، اگر
اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ	تم اپنے دعوی میں سچے ہو۔۔۔۔۔۔
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک دوسری جگہ اسی پہلو سے اس کی تصویر یوں کھینچی گئی ہے۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيْلَ	ہرگز نہیں جب جان ہنسلی تک آ پہنچے گی اور
مَنْ رَاقٍ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ	چلا اٹھیں گے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے اور اس کو
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (سورہ قیامہ)	یقین ہوجائے گا کہ یہ مفارقت کا وقت ہے
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ	اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اس دن آپکے رب

انسان کی بے بسی ولاچارگی اس پہلو سے بھی ہویدا ہے کہ ذرائع معیشت پر اسے ذرا بھی اختیار حاصل نہیں۔ آسمان اور زمین، سورج اور چاند، دریا اور پہاڑ سب کے سب انسانوں ہی کے لئے مسخر ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ انسان حسب خواہش زمین سے غلہ حاصل کرے اور نہ یہی ممکن ہے کہ اس کی طلب پر بادل اٹھیں اور پانی برسا دیں۔ بلکہ جملہ موجودات حکم الٰہی کی پابند ہیں۔ اس کے حکم کے بغیر نہ تو آسمان سے پانی کی ایک بوند گر سکتی اور نہ زمین اپنے خزانہ میں سے ایک دانہ اسکو بخش سکتی۔ یہ اس لئے ہے تاکہ انسان ان تمام نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود غرور نہ کرے بلکہ اس پروردگار کا شکرگذار رہے جو اس کیلئے اتنا وسیع دسترخوان بچھا کر بھی جب چاہے اس کو بھوکا ہلاک کرسکتا ہے۔

سورہ نمل میں ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	بھلا آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا اور آسمان
وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً	سے تم لوگوں کے لئے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعہ
فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ	سے ہم نے خوشنما باغ اگائے تمہارے بس کی
بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا	بات تو تھی نہیں کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو
شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ	کیا خدا کے ساتھ کوئی معبود ہے بلکہ یہ راہ حق سے
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ اَمَّنْ جَعَلَ	ہٹے ہوئے ہیں، بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے
الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ	کی جگہ بنایا اور اس کے وسط میں ندی نالے جاری
اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ	کئے اور اس کے لئے اٹل پہاڑ قائم کیا اور دو سمندروں
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا	میں پردہ ڈالدیا کیا خدا کے ساتھ کوئی معبود ہے
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ	بلکہ ان میں اکثر لوگ سمجھتے نہیں، وہ کون ہے
لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ يُّجِيْبُ	کہ جب کوئی مصیبت زدہ اس سے فریاد کرے
الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ	وہ اس مصیبت زدہ کی فریاد سنے اور مصیبت کو
السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ	ٹال دے اور زمین میں تمہیں اپنا جانشین بنائے
الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا	کیا خدا کے ساتھ کوئی معبود اور بھی ہے، تم بہت کم
مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ	تذکر کرتے ہو کون تم کو خشکی اور تری کی تاریکیوں
فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ	میں راہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے آگے ہواؤں
يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ	کو خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے کیا خدا کے ساتھ
يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ	کوئی معبود ہے۔ خدا کی ذات بابرکت شرک سے

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ	منزہ ہے، کون ہے جو مخلوقات کو پیدا کرتا ہے
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ	پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم لوگوں
وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا کوئی
وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ	خدا کے ساتھ اور بھی معبود ہے۔ کہدو کہ اگر تم اپنے
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	دعوی میں سچے ہو تو دلیل لاؤ . . . . .
صٰدِقِيْنَ	. . . .

ایک دوسرے موقع پر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ	خدا ہی وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پس وہ
فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ	بادلوں کو ابھارتی ہیں پھر بادل کو آسمان میں
كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا	پھیلاتا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ	پس تم دیکھتے ہو کہ بادل کے بیچ سے مینہ نکلتا
فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ	ہے پھر جب خدا اپنے بندوں میں سے جس پر
مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ	چاہتا ہے اس کو برساتا ہے، دفعتاً وہ لوگ خوش ہو جاتے
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ	ہیں گو وہ کہ پانی کے برسنے سے پہلے ناامید تھے
عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ فَا	پس خدا کی رحمت کے مظاہر پر غور کرو وہ خداوند
نْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ	زمین کو زندہ کر دیتا ہے بیشک وہ مردوں
يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	کا جلانے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور
اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ	اگر ہم ہوا چلا دیں اور یہ کھیتی پیلی دیکھیں
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا	تو اس کے بعد ہی ناشکری کریں گے۔

رِیحًا فَرَاَوْہُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا ....

مِنْۢ بَعْدِہٖ یَکْفُرُوْنَ ....

ان آیات پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ تمام اشیا جن پر انسان کی زندگی کا دارو مدار ہے، سب خداوند تعالیٰ ہی کا تصرف اور قبضہ ہے۔ اگر آسمان پانی کی دولت روک دے یا زمین اپنے خزائن اگلنا بند کردے یا ہوائیں چلنا بند ہوجائیں تو پھر کوئی دوسری طاقت ایسی نہیں جو انھیں حرکت میں لائے، اگر انسان کو ان پر تصرف کی قدرت ہوتی تو پانی کی سخت ضرورت کے وقت وہ امید بھری نظریں آسمان کی طرف نہ اٹھاتا بلکہ اپنی قدرت کا استعمال کرتا، مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ ایسے اوقات میں وہ خداوند تعالیٰ ہی سے پانی کے لئے دعائیں اور التجائیں کرتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کبھی انسان کے سامنے اس کے ضعف و عجز کو بالکل بے نقاب کردیا ہے تو انسان اپنے کبر و نخوت کو بھول کر صرف خدا ہی کو یاد کرتا ہے۔

سورہ یونس میں ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ	اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو پڑا یا بیٹھا
دَعَانَا لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا	یا کھڑا ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کی تکلیف کو
اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْہُ	اس سے دور کردیتے ہیں تو ایسا چل دیتا ہے
ضُرَّہٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ	گویا اس تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی
اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ کَذٰلِکَ زُیِّنَ	ہمیں پکارا ہی نہیں تھا ایسے ہی حد سے تجاوز
لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	کرنے والوں کے لئے ان کے اعمال ان کی نظروں میں

ایک دوسری جگہ مشکلات میں اس کی بیچارگی کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا	اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے

رَبَّہٗ مُنِیْبًا اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا	پروردگار کی طرف رجوع ہوکر اسی کو پکارتا
خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا کَانَ	ہے پھر جب اسے اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو
یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ	جس کے لئے پہلے اس نے پکارا تھا اس کو فراموش
لِلّٰہِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ	کرجاتا ہے اور خدا کا شریک ٹھہرا لیتا ہے تاکہ
قُلْ تَمَتَّعْ بِکُفْرِکَ قَلِیْلًا اِنَّکَ	اس کی راہ سے گمراہ کرے، کہہ دو کہ چند زمانہ دنیا
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ	بحالت کفر متمتع ہو لو بیشک تو دوزخیوں میں ہے۔

پیش نظر سورہ کی قسموں سے متعلق جو آیات اوپر ہم نے نقل کی ہیں ان سے یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہے کہ چونکہ مکہ ایک بہت ہی بے آب و گیاہ خطہ میں واقع تھا اور ذرائع معاش کا وہاں فقدان تھا اس لئے اس سے اہل عرب کے ضعف و بیچارگی پر استدلال ایک بالکل کھلی ہوئی حقیقت تھی اور عام اولاد آدم کے احوال بھی اسی طرح کے ہیں۔ پس انسان کی مشقت اور اس کے ضعف و عجز کو یاد دلا کر اس کو کبر و نخوت سے روکا اور انفاق و مرحمت کی وصیت فرمائی ہے جو شکر اور عبدیت کے بالکل ابتدائی مظاہر ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تفسیر سورۃ قیامۃ

عربی

یہ کتاب نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ مولانا فراہیؒ نے قرآن کے بعض نہایت مشکل اسالیب سے اس میں تعرض کیا ہے اور سب کو کلام عرب اور شواہد قرآن کی روشنی میں بالکل واضح کردیا ہے۔ نظم کی بھی اہم مشکلیں اس میں حل ہوگئی ہیں۔ ان مخصوص مباحث کے علاوہ سورہ کی عام تفسیر بھی اپنے اندر اسرار و حقائق کا دفتر رکھتی ہے۔ قیمت :- ۳ر

منیجر

مقالات

فرعونِ موسیٰؑ

ایک تاریخی تحقیق

از استاذ محمد فرید ابو حدید

فرعون کی شخصیت پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اس کو ہٹانے کے لئے تاریخ اور آثار کے ذخیرے میں ہم کو کوئی روشنی نہیں ملتی اس لئے ہمارا یہ سفرِ تحقیق ایک دنیائے مجہول کی سیر کی لذت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ہم ایک گھنے کہر بلکہ گھٹا ٹوپ اندھیاری کے اندر اپنے لئے راہ تلاش کر رہے ہیں کیا عجب ہمارے قدم اسی جادہ پر پڑ جائیں جو منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہو، چاہے اس میں کتنی ہی نشیب و فراز اور کتنی ہی پرخطر اور دشوار گذار گھاٹیاں ہوں۔

پہلے ہم کو اپنی راہ کے ان ابتدائی نقطوں کو تلاش کرنا ہے جہاں سے ہم اپنا سفر شروع کریں گے اگر اس میں ہم کو کامیابی ہو گئی تو امید ہے کہ ہمارے سامنے منزل کے آخری آثار بھی نمودار ہو جائیں گے۔ یہ ابتدائی نقطے ہم کو تورات کے قصوں میں ابھرے ہوئے ملتے ہیں کیونکہ خروجِ بنی اسرائیل کا ذکر سب سے پہلے ہم کو تورات ہی میں ملتا ہے۔ تاریخ نے ان حوادث کی تفصیل کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر تورات میں ہم کو کوئی بات بطور اساس بحث کے مل گئی تو پھر ہم تاریخ کی طرف رجوع کریں گے اور اس کے بیانات سے مقابلہ و موازنہ کر کے اس کی تصدیق یا تکذیب کے پہلو کو واضح کر دیں گے۔

واقعۂ خروج تورات میں تورات میں بنی اسرائیل کا ذکر سب سے پہلے خود اسرائیل کی شخصیت سے وابستہ نظر آتا ہے۔ اسرائیل، یعنی یعقوب بن ابراہیم علیہما السلام جو مصر میں اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام (وزیر حکومت مصر اور مصر میں فرعون کے بعد سب سے بڑی شخصیت) کے مہمان کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے۔

یعقوب علیہ السلام کا مصر میں شاندار خیر مقدم ہوا، وہ اور ان کے تمام بیٹے پوتے ڈیلٹا کے مشرق میں جاسان میں اترے، تاکہ مصریوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر اپنے مویشی چرائیں۔ چرواہے مصر میں اچھوت خیال کئے جاتے تھے۔ آباد شہروں اور عام شہری آبادی کے اندر ان کو خلا ملا رکھنے کی اجازت نہ تھی۔

ان عبرانیوں کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ جاسان کا تمام میدانی علاقہ ان سے معمور ہو گیا۔ یہ لوگ باوجود غیر ملکی ہونے کے حکومت وقت کے اعوان و انصار میں تھے۔ اس واقعہ سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ خود حکومت وقت غیر ملکی تھی اس لئے وہ ملک کے اطراف میں غیر ملکیوں کے بسانے اور آباد کرنے کی بہت آرزومند تھی تاکہ جب ضرورت داعی ہو ان کی امداد سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس کے کچھ دنوں بعد وہ حکومت بدل گئی اور اس کی جگہ ایک ایسی حکومت قائم ہو گئی جو سابقہ حکومت کی مخالف تھی۔ اس نے اپنے پیش نظر یہ رکھا کہ قدیم حکومت کے تمام آثار سرزمین مصر سے مٹا دے۔ چنانچہ قدیم حکومت کے تمام اعوان و انصار دفعۃً ظلم و ستم اور شمشیر و تازیانہ کے نیچے آ گئے۔ تورات کا بیان یہ ہے۔

"پھر اس کے بعد مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف سے آشنا نہ تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا یہ دیکھو بنی اسرائیل کی جماعت ہم سے زیادہ اور بڑی ہے۔ آؤ ہم ان کے لئے تدبیر کریں کہ یہ بڑھنے نہ پائیں۔ ورنہ یوں ہوگا کہ جب کوئی لڑائی برپا ہوگی یہ ہمارے دشمنوں سے

ط یہ محل نظر ہے۔ مترجم

مگر ہم سے جنگ کریں گے اور ہم کو ملک مصر سے نکال دیں گے۔"

لیکن تورات سے یہ کچھ نہیں کھلتا کہ اس نئی حکومت کی نوعیت کیا تھی اور نہ اس واقعہ کی کوئی تاریخ متعین ہوتی۔ مگر اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ یہ واقعہ اپنے وقوع کے صدیوں بعد قلم بند ہوا ہے۔ اور ماثور روایات سے مدون کر لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں واقعہ کے ہر پہلو کی تفصیل کا محفوظ رکھنا ناممکن تھا۔ ساری داستان میں سے یہ ایک بات محفوظ رہی کہ پرانی حکومت بدل گئی اور اس کی جگہ جو نئی حکومت قائم ہوئی وہ سابقہ حکومت سے بالکل مختلف اور اس کی اور اس کے تمام اعوان و انصار کی سخت دشمن تھی اور اس نے بنی اسرائیل پر تشدد شروع کیا اور ان کی تعداد کم کرنے کی کوشش کی کہ مبادا کوئی جنگ چھڑے اور وہ اس کے دشمنوں سے مل کر اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔

ظلم و ستم کی یہ حکومت بنی اسرائیل پر ایک زمانہ تک مسلط رہی۔ اس صورت حال نے ان میں حکومت کے خلاف ایک سخت نفرت و بیزاری پیدا کی اور ان کے جذبات میں بغاوت کا ہیجان و اشتعال نمودار ہوا یہاں تک کہ ان میں ایک زبردست لیڈر (ہادی) پیدا ہوا جس نے ان کو ظلم و ستم کا خود دارانہ مقابلہ کرنے اور اس ذلت و اہانت کی سرزمین سے نکل جانے کی دعوت دی۔ ایک عرصہ کی دعوت و تبلیغ کے بعد بالآخر انھوں نے اس کی بات مانی اور متحد ہو کر اس کی رہنمائی میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ لیڈر ——— حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے۔

فرعون نے اپنی فوجیں لیکر ان کا پیچھا کیا۔ لیکن ان کو ان کے ارادہ سے پھیر نہ سکا۔ اس پر اور اس کی فوج پر سمندر پار کرتے وقت ایک شدید آفت آگئی اور بنی اسرائیل اس کے پیچھے چھوٹ کر حدود مصر سے باہر ایک وسیع صحرا میں پہنچ گئے۔

واقعہ خروج جس شکل میں تورات میں بیان ہوا ہے اس کا اجمالی نقشہ یہی ہے۔

اس میں ہم کو کوئی اشارہ ایسا نہیں ملتا جس سے ہم فرعون کی شخصیت کو متعین کر سکیں یا واقعہ کی تاریخ معلوم کر سکیں۔ اس عہد کی سیاست کے متعلق بھی کوئی واضح بات نہیں ملتی کہ حکومت وقت کی نوعیت سمجھنے میں اس سے کوئی مدد ملے۔

مصر سے بنی اسرائیل کے خروج کی تاریخ

ہرچند تورات نے اس تاریخ کی تعیین کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن ایک اور مقام میں ایک دوسری تاریخ بیان کی ہے جس میں بہت سے اشارات مضمر ہیں اور ہم اس کی رہنمائی میں بغیر کسی زحمت کے اس تاریخ کو متعین کر سکتے ہیں۔

تورات میں ایک اور اہم واقعہ بیان ہوا ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ میں نہایت نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ہماری مراد بیت المقدس کی تعمیر کے واقعہ سے ہے۔ اس گھر کی تعمیر حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت کے چوتھے سال میں ہوئی۔ اور تورات میں تعیین کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ مصر سے نکلنے کے چار سو اسی سال بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ سفر ملوک اول باب ۶ میں ہے کہ

"اور بنی اسرائیل کے ملک مصر سے نکل آنے کے بعد چار سو اسیویں سال اسرائیل پر سلیمان کی سلطنت کے چوتھے برس زیو کے مہینہ میں جو دوسرا مہینہ ہے، ایسا ہوا کہ اس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا۔"

اس طرح تورات نے بالواسطہ خروج مصر کی تاریخ متعین کر دی اور در اصل اسی کی ضرورت تھی۔ حضرت سلیمانؑ کا زمانہ تو صفحات تاریخ میں معلوم و متعین ہے اور اتنے آثار و واقعات عالم سے لگاؤ رکھتا ہے کہ اس کو متعین کر کے اس کی اساس پر ہم جب چاہیں اپنے نظریات و قیاسات کی بنیادیں استوار کر سکتے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ کا زمانہ تھوڑے سے اختلاف رائے کے ساتھ متعین ہے۔ صحیح ترین

رائے یہ ہے کہ ان کا زمانہ سنہ ۱۲۶۰ء اور سنہ ۱۲۳۰ء قبل ولادت کے درمیان ہے۔ اب اس کو بنیاد قرار دے کر آگے بڑھیں تو مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے کا زمانہ سنہ ۱۲۴۰ء قبل ولادت قرار دینا پڑے گا۔

یہاں فوراً ہم سے ایک سوال ہوگا اور مناسب ہے کہ سلسلۂ بحث میں آگے بڑھنے سے پہلے تھوڑی دیر توقف کر کے ہم اس پر غور کر لیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس بات پر مطمئن ہو سکتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے خروج مصر اور بیت المقدس کی تعمیر میں اتنا بعد ہو جتنا تورات سے ظاہر ہوتا ہے، یعنی چار سو اسی (۴۸۰) سال؟

تورات نے بہت سے دوسرے واقعات بیان کئے ہیں، ان کی تاریخیں بھی متعین کی ہیں اور ان کے متعلق بہت سی تفصیلات بھی ذکر کی ہیں جن کے ضمن میں مختلف ملکوں اور قوموں کے بہت سے سلاطین اور سپہ سالاروں کے نام آئے ہیں۔ اور یہ سب اس وقت کی بات ہے جب قدیم واقعات پر تحقیق جدید کی روشنی نہیں پڑی تھی لیکن جب علما کو موقع ملا کہ وہ .... ان زمانوں کی حقیقت معلوم کریں جن کا تورات میں ذکر ہوا ہے تو ان کو معلوم ہوا کہ اگر واقعات پر بنی اسرائیل کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو تورات کے اکثر بیانات صحیح ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر بیت المقدس کی تاریخ بنا کے متعلق ہم تورات کے بیان پر زیادہ سے زیادہ اطمینان رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا مصر سے خروج ان کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ اس طرح کے اہم واقعات کو بعد میں آنے والی نسلیں برابر یاد رکھتی ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ہجرت کے واقعہ کو جو اہمیت حاصل ہے، بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس واقعہ کو اس سے کم اہمیت نہیں حاصل ہو سکتی۔ اور کچھ تعجب نہیں اگر انھوں نے اس کو اپنی قومی تاریخ کا سن آغاز قرار دیا ہو۔ اور اس کو پورے ضبط و احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا ہو۔ بنی اسرائیل

کے علماء اور احبار اپنی قومی سیرت کی تدوین اور اپنی جماعتی تاریخ کی تعیین کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ پس اگر تورات نے بیت المقدس کی تعمیر کی کوئی متعین تاریخ بتائی ہے تو ظن غالب ہے کہ یہ تاریخ قابل اعتماد دستاویزوں اور بھروسے کے قابل روایات پر مبنی ہوگی۔

پھر یہ بات نہیں ہے کہ تورات نے اس تاریخ کو یونہی ضمناً ایک فقرہ میں بیان کر دیا ہو اور اس تعیین کا اس کے سوا کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ بلکہ اس کے علاوہ کتاب القضاۃ اور کتاب الملوک میں ان تمام اہم انقلابات و تغیرات کی تفصیلات بیان کی ہیں جو بنی اسرائیل کی زندگی میں پیش آئے۔ بہت سے قاضیوں، بادشاہوں، کاہنوں کے حالات بیان کئے ہیں جنھوں نے اس قوم پر حکومت و نبوت کی ہے۔ علاوہ بریں قوم کی آزادی و غلامی کے تمام زمانوں کی تعیین کی ہے۔ ہم ان تمام مباحث کو پڑھ کر اور ان کا باہم موازنہ و مقابلہ کر کے اس مدت کا واضح طور پر تعین کر سکتے ہیں جو خروج بنی اسرائیل اور تعمیر بیت المقدس کے مابین حائل ہے۔

اگر اس نہج سے ہم تمام حالات و واقعات کی چھان بین کریں گے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ تورات نے تعمیر بیت المقدس اور خروج بنی اسرائیل میں جو فاصلہ بتایا ہے وہ نہ تو مبالغہ آمیز ہے نہ کسی اور پہلو سے قابل اعتراض۔ اور ہم پورے اطمینان کے ساتھ اس نتیجہ تک پہنچیں گے کہ بنی اسرائیل کے خروج کی واقعی تاریخ وہی ہے جو تورات نے بیان کی ہے یعنی یہ پندرہویں صدی قبل ولادت کے بیچ کا واقعہ ہے۔

اس عہد میں مصر کی حالت

لیکن ہم کو اتنے ہی پر قانع نہ ہونا چاہئے بلکہ کتب تاریخ کی طرف رجوع کر کے یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ اس عہد میں مصر کے حالات اس طرح کے اہم واقعہ کے ظہور کے لئے موزوں تھے یا نہیں؟ اور اس تاریخ اور ان واقعات میں پورا انطباق ہے یا نہیں جن پر بحث و تحقیق کی اصلی بنیاد ہے۔

تاریخ کا بیان یہ ہے کہ مصر نے تقریباً ڈیڑھ صدی کا زمانہ ایک غیر ملکی حکومت کے جبر و تسلط کی ماتحتی میں بسر کیا ہے۔ یہ حکومت، دولت ہکسوس کے نام سے موسوم تھی۔ یہ سامی نسل کے بدوی تھے جو مشرق کے صحراؤں سے ملک پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کر کے ڈیلٹا کے مشرق میں "اواریس" کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ یہ مقام ان کی وسیع سلطنت کے ان مقامات سے قریب تھا جو شرق قریب میں واقع تھی۔ مصر پر ان کے اقتدار کا آخری دور سولھویں صدی قبل ولادت کے اوائل کا زمانہ ہے۔

اس کے بعد اس غیر ملکی حکومت کے خلاف مصر میں ایک بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ مصریوں نے چاہا کہ ہکسوس کو اپنے ملک سے جلاوطن کر کے فلسطین اور لبنان کی سرحدوں کی طرف بھگا دیں۔ اس وطنی جہاد کی مرموز تاریخ "احمس" کا نام ہے۔ جو طیبہ کا امیر تھا اور اس جدید وطنی حکومت کا بانی ہوا۔ احمس نے مصریوں کے دلوں میں تقدیس و احترام کا وہ مقام حاصل کر لیا جو صرف دیوتاؤں کے لئے مخصوص تھا۔ تمام ملک اس کے احکام و اوامر کے آگے سربسجود تھا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا امنحتب اول بادشاہ ہوا۔ اس نے سب سے پہلے اس امر کا تہیہ کیا کہ ہکسوس کی حکومت کے تمام آثار اور اس کے تمام اعوان و انصار کو مٹا دے اور جو باقی رہ جائیں ان کو غلام بنا لے۔

اس وطنی جہاد پر پوری دو نسلیں گذر گئیں۔ اس بیچ میں اس خاندان نے ملک سے باہر متعدد کامیاب لڑائیاں لڑیں اور اموال غنیمت سے پورا ملک معمور ہو گیا۔ طیبہ مصر کا سب سے بڑا آباد اور دولتمند شہر بن گیا۔ لیکن دوسری نسل کے بعد احمس کے خاندان میں کوئی اولاد نرینہ نہیں پیدا ہوئی۔ یعنی احمس کے بیٹے امنحتب کو "دیوتاؤں" نے کوئی بیٹا نہیں دیا جو اس ..... "مجاہدین وطن" کے خاندان کے نام اور کام کو باقی رکھ سکے۔ مجبوراً بادشاہ نے اپنی جانشینی کیلئے

تحوتمس اول کو منتخب کیا، جس کو خاندان شاہی سے براہ راست کوئی علاقہ نہ تھا۔ صرف شاہی خاندان کی ایک شاہزادی احموس اس سے بیاہی تھی۔

تحوتمس نے ایک مدت دراز تک حکومت کی، اس کے بہت سی اولادیں بھی ہوئیں لیکن یہ تمام اولاد عام عورتوں سے تھیں، "شاہ بیگم" سے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی۔ صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام حتشپسوت تھا جو نہایت ذہین، نہایت خوش مذاق، نہایت خوش جمال تھی۔

پندرھویں صدی (قبل ولادت) کے شروع ہوتے ہی طیبہ میں اضطراب کے آثار نمایاں ہوئے بے شمار پارٹیاں پیدا ہوئیں۔ اور ان پارٹیوں کے خیالات اور مصالح میں تصادم شروع ہوا۔

بادشاہ تحوتمس اول بوڑھا ہو چکا تھا۔ لیکن کوئی بیٹا نہ تھا جس کی رگوں میں احمس کا خون ہو اور جو اس کے بعد بلا اختلاف ملک کا بادشاہ بن سکے۔ مصر عورت کی حکومت کے رواج سے ناآشنا تھا، ناممکن تھا کہ اہل ملک ایک عورت کی حکومت قبول کر سکیں۔ ہر چند وہ عورت، خاندان شاہی کی چشم و چراغ شہزادی حتشپسوت ہی کیوں نہ ہو۔

پارٹیوں میں اختلاف شروع ہوا۔ ایک پارٹی کی رائے تھی کہ پہلوٹھے بیٹے تحوتمس ثانی کو بادشاہ بنایا جائے۔ دوسری پارٹی کہتی تھی کہ دوسرے بیٹے تحوتمس ثالث کو بادشاہ بنایا جائے یہ کاہنوں کے زمرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ ایک تیسری پارٹی شہزادی حتشپسوت کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی۔ یہ اختلاف برسوں قائم رہا، بالآخر پورے بیس سال کے بعد یہ قضیہ کاہن شہزادہ کی بادشاہت سے ختم ہوا۔ یہ بادشاہ تاریخ میں فاتح اعظم بطل اکبر تحوتمس ثالث کے نام سے موسوم ہوا۔

اس نے تیس سال سے کچھ زیادہ حکومت کی اور اس مدت میں مصر کو دنیائے قدیم کی تاریخ میں اس نے ترقی کے اس درجہ پر پہنچا دیا جس کی کوئی دوسری مثال تمام جدید و قدیم تاریخ میں

نہیں ملتی۔ شمال میں بلاد جزیرہ اور ایشائے کوچک سے لیکر جنوب میں بلاد سوڈان و صومال تک اس کا دائرہ اقتدار وسیع تھا۔ اور مصر کی قوت اس زمانہ میں اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بعد کے زمانوں میں آج تک وہ سطوت اس کو پھر حاصل نہ ہو سکی۔

اپنے شاندار دور حکومت کو ختم کر کے اس بادشاہ نے پندرھویں صدی (قبل ولادت) کے اواسط میں وفات پائی۔ اور اس سے زیادہ تعیین نقطوں میں اس کی وفات ۱۴۴۷ء قبل ولادت کے موسم بہار میں ہوئی۔

اس تاریخی سیر کے بعد اب ہم اصل بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔

بنی اسرائیل مصر میں اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مصر میں ایک غیر ملکی حکومت قائم ہو گئی تھی جو سولہویں صدی قبل ولادت مسیح تک ملک پر مسلط رہی۔ یہ نسلاً سامی یعنی بنی اسرائیل کے بنی اعمام کی حکومت تھی۔ اور جنس، زبان، اور عادات میں ان سے اشتراک رکھتی تھی۔ اس حکومت کے لئے یہ بات موزوں معلوم ہوتی ہے کہ اپنے بنی اعمام بنی اسرائیل کا اپنے ملک میں خیر مقدم کرے، ان کو جگہ دے اور ان کو اپنے اعوان و خدام میں شامل کرے۔

اس کے بعد مصر میں اس اجنبی حکومت کے خلاف ایک جماعت نے بغاوت کی اور اس حکومت کے ساتھ ساتھ اس کے ان خدام و اعوان کی بھی اس نے جڑ کھودنی شروع کر دی جنھوں نے اس حکومت کی مدد کی تھی اور جو حکام کے مقرب اور معتمد علیہ تھے۔

پس قدرۃً بنی اسرائیل بھی اس جدید وطنی حکومت کے مظالم کے ہدف اور اس کے بانیوں کی دار و گیر کے مستحق قرار پائے۔

ان مظالم و شدائد سے بنی اسرائیل تنگ آ چکے تھے۔ لیکن ایک مدت دراز تک ان کو یہ زہر کے گھونٹ پینے پڑے۔ بالآخر ان میں وہ لیڈر پیدا ہوا جس نے ان کی رہنمائی کی

اور ڈیڑھ صدی تک اس نئی حکومت کے گوناگوں مظالم سہنے کے بعد وہ اس کی قیادت میں مصر سے باہر نکل گئے۔

ظلم و ستم کی اس طویل مدت کی تائید تورات سے بھی ہوتی ہے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اسی ظلم و ستم کے عہد میں ہوئی۔ پھر وہ جوان اور ادھیڑ ہوئے اور یہ ظلم و ستم قائم رہا۔ پھر وہ اسی سال کی عمر میں اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے اور اس وقت بھی یہ تمام شدائد بدستور باقی تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس نئی ظالم حکومت کے عہد آغاز اور بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے زمانہ میں ایک طویل مدت حائل ہے۔ اور ہم اس بات کو باور کر سکتے ہیں کہ یہ زمانہ ایک صدی سے زیادہ کا زمانہ ہے۔

امنحوتب ثانی ——— فرعون موسیٰ جبکہ نئی وطنی حکومت کا آغاز سولھویں صدی قبل مسیح کے اوائل کا زمانہ ہے اور بنی اسرائیل اس کے ڈیڑھ سو برس بعد ——— پندرھویں صدی کے اواسط میں ——— نکلے ہیں تو تاریخ کے صفحات میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تورات کی بیان کردہ تاریخ خروج ——— ۱۴۴۶ء قبل ولادت ——— کی تردید ہو سکے۔ اور یہ تاریخ بادشاہ اعظم تحوتمس کی موت کے دوسرے سال کے مطابق پڑتی ہے۔ اور یہ اس کے جانشین امنحوتب ثانی کی فرمانروائی کا پہلا سال ہے۔ پس یہی بادشاہ موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا فرعون ہے۔ جو ہماری بحث کا سرعنوان ہے۔

عقل اور واقعات دونوں سے اس کی واقعیت کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تحوتمس اگر ان لوگوں کے لئے نہایت سخت گیر اور ظالم رہا ہوگا، جو دشمنوں کے مددگار سمجھے جاتے تھے۔ اور جن کی نسبت یہ یقین تھا کہ جو قوم مصر پر حملہ آور ہوگی اس کی مدد کریں گے۔

پس قدرۃً اسکی وفات نے ملک میں بڑا تہلکہ ڈالا ہوگا اور یہ تہلکہ کا زمانہ ان لوگوں کے لئے بہترین ساز گار ساعت ہو سکتا ہے جو حکومت کے خلاف بغاوت کے لئے پر تولے بیٹھے ہوں۔

واقعات سے بھی اس قیاس کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔

تل العمارنہ (مصر) میں ابھی حال میں کچھ خطوط کا مجموعہ ملا ہے جو شام کے حکام نے امنحوتپ ثالث (تحوتمس اکبر کے پوتے) اور امنحوتپ رابع کو لکھے ہیں۔ اس میں انھوں نے ان دونوں سے امید ظاہر کی ہے کہ وہ شاہنشاہیت مصر کے دفاع کے لئے اٹھیں گے اور صحرا کی جانب سے "خابیری" بدوؤں کے ہجوم اور سرزمین فلسطین اور ساحل شام پر ان کے غلبہ کی شکایت کی ہے۔

فلسطین پر ان قبائل کے ہجوم کا زمانہ پندرھویں صدی (قبل ولادت) کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل کا زمانہ ہے۔ اور جمہور علمائے تاریخ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ "خابیری قبائل" در اصل عابیری (عبرانی) قبائل ہیں یعنی بنی اسرائیل۔

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل چالیس برس بریہ سینا میں رہے۔ اس حساب سے فلسطین پر ان کے حملے پندرھویں صدی کے اواخر میں ہوئے ہونگے اور خروج کے متعلق تورات کا بیان معلوم ہے کہ اس صدی کے اواسط کا واقعہ ہے۔

ان تمام تفصیلات کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قصص تورات سے خروج بنی اسرائیل کی جو تاریخ متعین ہوتی ہے —— یعنی ۱۴۴۶ء قبل میلاد یا امنحتب ثانی کی حکومت کا دوسرا سال —— قرائن تاریخی اسکی تائید کرتے ہیں۔

اب آخر میں ہم اس رائے کی تردید بھی کر دینا چاہتے ہیں جو بعض علماء نے ظاہر کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون منفتاح بن رمسیس اکبر تھا۔ ہمارے نزدیک اس رائے

کی بنا محض ایک معمولی سے شبہ پر ہے جس کا ازالہ بآسانی ممکن ہے۔ اور خود اس سے بھی ہمارے مذہب کی تردید نہیں ہوتی بلکہ اس کی تائید ہوتی ہے۔

بادشاہ منفتاح کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے شام کا ان شہروں پر حملہ کیا جو سلطان مصر کے حیطہ اقتدار سے نکل گئے تھے اور جن حکومتوں کو اس نے ذلیل و پامال کیا ان میں بنی اسرائیل کی امارت کو بھی گنا گیا ہے۔

اس واقعہ کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ تسلیم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ بنی اسرائیل منفتاح کے عہد میں مصر سے نکلے ہوں۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انھوں نے ایک ریاست و بادشاہت قائم کر لی تھی اور فلسطین و بلاد شام میں ان کی حکومت اتنی مضبوط ہو گئی تھی کہ مصر کے سلاطین سے نبرد آزما ہو سکتے تھے۔ پس منفتاح کے متعلق ہم جو بات تسلیم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی حریف اسرائیلی حکومت سے جنگ کی تھی جو بہت سے شہروں پر قابض تھی جس کے پاس فوجیں اور ملک تھے۔ ہر چند اس کی طاقت فرعون مصر کے ہمسر نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ بادشاہت و سلطنت کا قیام دو چار دن میں ممکن نہیں۔ اس میں ایک طویل زمانہ صرف ہوا ہوگا۔ پس یقیناً منفتاح نے بنی اسرائیل سے جو جنگ کی وہ ان کے خروج مصر کے بہت زمانہ کے بعد واقع ہوئی۔

ان تمام واقعات کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ تاریخ کے اتنے ممتد زمانہ نے بھی فرعون موسیٰ کی شخصیت کو ہم سے چھپایا نہیں ہے بلکہ ہم نہایت نمایاں طور پر اس کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔ وہ بطل مصر تحوتمس کبیر کا بیٹا امنحتب ثانی ہے۔

(از الہلال مصر)

حکمتِ غرب

مارکس اِلیدرس کے خیالات

از جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے

میں فطرت کے راستہ پر چلتا ہوں تا آنکہ میرا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور مجھے سکون نصیب ہوگا۔ میں اپنا دم نفس اسی عنصر کے حوالہ کردوں گا جس سے میں اس کو یوماً فیوماً حاصل کرتا ہوں اور اسی خاکی زمین میں مل جاؤں گا جس نے میرے باپ کو تخم حیات، میری جان کو خون، اور میری دایہ کو دودھ بخشا۔ اسی خاک میں مل جاؤں گا جس نے سالہا سال میرے لئے سامان خورد و نوش مہیا کیا اور مجھے اپنے سینے پر رکھا جبکہ میں اس کو پیروں سے روندتا تھا اور جب چاہتا اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتا۔

کیا تجھ میں وہ جودت طبع نہیں جو لوگوں سے خراج تحسین وصول کر سکے۔ اگر ایسا ہے تو ہونے دے۔ لیکن بایں ہمہ تجھ میں اب بھی وہ بہت کچھ باقی ہے جس کی وجہ سے تو یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ فطرت نے اس کیلئے مجھے بالکل صلاحیت نہیں بخشی ہے، پس ان اوصاف کا اظہار کر جو بالکل تیرے قابو و قدرت میں ہیں یعنی خلوص، وقار، تحمل، لہو ولعب سے بے تعلقی، تسلیم و رضا، قناعت، شفقت، آزادی، سادگی، مہمل گوئی سے نفرت، بے ساختہ طور طریقہ، غور کر کہ ہمیشہ اور ہر لحظہ تیرے لئے کتنی نعمتیں قابل حصول ہیں۔ ان اوصاف میں سے کسی کے حصول میں فطری نا اہلیت کا عذر قابل شنوائی نہیں، پھر بھی تو عروج و ترقی سے گھبراتا ہے۔ کیا فطری نا اہلیت تجھکو

مجبور کر سکتی ہے کہ تو پست، لگر منہ، اور ذلیل خوشامد کی زندگی اختیار کرے، اپنے جسم ناتواں کا ناروا استعمال کرے، خوشامد اور نمود و نمائش کا شیوہ اختیار کرے اور اپنی روح کو مستقلاً بے قرار رکھے! خدا کی پناہ! تجھے تو یہ کہنا چاہیے کہ ان ساری باتوں کو بہت قبل ہی دفع کر دینا چاہیے تھا، اگر اس حد تک ممکن بھی ہے تو فطری نا اہلیت کے زیادہ سے زیادہ یہ نتائج ہو سکتے ہیں کہ ادراک اور ذہن کی کچھ سستی کسی حد تک تیری تحقیر کی باعث ہو۔ تیرا کام یہ ہے کہ خاص توجہ و فکر سے تربیت حاصل کر اور اس نا اہلیت کو اور بھی کم کر، تجھکو نہ تو یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ سستی قابل غور و توجہ نہیں اور نہ یہ کہ صحیح طور پر وہ اطمینان بخش فخر و مباہات کا باعث ہے۔

کچھ لوگوں کی ایسی فطرت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کے ساتھ خاص طور سے اچھا سلوک کرتے ہیں تو بر وقت اپنے حسن سلوک کا شمار کرنے لگتے ہیں اور اس کا معاوضہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دوسرے لوگ ایسے عاجل نہیں ہوتے تاہم وہ بھی اپنے دل میں اشخاص ممنون احسان و کرم کو کسی حد تک معاوضہ احسان کا پابند سمجھتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کو خوب یاد رکھتے ہیں۔ ان کے بعد ایک دوسرے انسان کو دیکھو، اس کو گویا خیال ہی نہیں کہ اس نے کچھ بھی کیا ہے۔ اس کا موازنہ انگور کی بیل سے کیا جا سکتا ہے جس میں خوشے نکلتے ہیں اور جب اس کے دانوں میں رس آگیا اور اس کا کام پورا ہو گیا تو وہ بے نیاز ہو جاتی ہے۔ جس شخص نے نیک کام کیا اس کو اس گھوڑے کے مانند ہونا چاہیے جس نے اپنی دوڑ پوری کر لی ہے، اس کتے کے مانند جس نے اپنے شکار کا پتہ لگا لیا ہے، یا شہد کی مکھی کی مانند جس نے اپنی شہد جمع کر لی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایسے شخص کو اپنی نکوکاری کا اعلان بانگ دہل نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کو نیکی کرنے کے موقع کا متلاشی ہونا چاہیے۔ جیسے کہ انگور کی بیل موسم میں بار آور ہوتی ہے۔ تمہارا سوال یہ ہے کہ اس سے

ہماری منشا یہ ہے کہ ہم تمھیں ان لوگوں کے زمرہ میں رکھنا چاہتے ہیں جو اچھے کام کرتے ہیں اور پھر گویا اپنے عمل سے بے خبر ہوتے ہیں۔ جواب اثبات میں ہے۔ لیکن کیا بالکل یہی چیز نہیں ہے جس سے اونھیں باخبر ہونا چاہیے، یہ انسان فطرتاً جماعت پسند واقع ہوا ہے اور جماعت پسند انسان کی حیثیت سے اس کی روح فطرت کا تقاضا ہے کہ اس میں اس بات کو محسوس کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے آیا وہ اسی طرح عمل پیرا ہے جیسے ایک جماعت پسند انسان کو ہونا چاہیے بلکہ اس میں یہ صلاحیت احساس اور بھی زیادہ ہونا چاہیے یعنی اس کی یہ بھی خواہش ہونی چاہیے کہ اس کے رفقاء جماعت بھی اس کو اسی طرح عمل پیرا دیکھیں۔ میرے دوست یہ سچ ہے لیکن تم غلط بیانی کے ساتھ دلائل پیش کر رہے ہو اور مجھے خوف ہے کہ تم کو ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہونا پڑے گا جن کا تذکرہ قبل آچکا ہے کیونکہ دلائل کی خفیف نمائش سے وہ بھی فریب خوردہ ہوگئے ہیں لیکن اگر تم زحمت گوارہ کرکے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کروگے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے تو پھر تم کو اس بات کا اندیشہ نہ ہونا چاہیے کہ تم سے کسی جماعتی فعل کا فروگذاشت ہوگا۔

اہل یونان کی ایک دعا تھی " اے محبوب زیس[۵] (مسعح) بارش! بارش! یونان کے کھیتوں اور میدانوں میں بارش ہو!" اگر ہم کبھی بھی دعا کریں تو ہم کو ایسی سادگی اور آزادی سے دعا کرنا چاہیے۔

(باقی)

۵۔ زیس (مسعح) یونانیوں کا سب سے بڑا دیوتا جس کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک عیش پرست انسان کی۔ دوسری انسانوں اور دیوتاؤں کے قادر مطلق باپ کی۔

ادبیات

غزل

ازجناب مولوی احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڑھ

ولولۂ جنون غم ان کو ذرا دکھائے جا — کھا کے دل و جگر پہ چوٹ ہجر میں مسکرائے جا
اس سے زیادہ اور کیا مقصد ذوق عاشقی — درد سے لذتیں اٹھا جوش طلب بڑھائے جا
جلوۂ راز کائنات، آئے گا ایک دن نظر — آتش شوق تیز تر قلب و جگر جلائے جا
مثل شرارہ ہو رواں وسعت گہ حیات میں — دشت و چمن میں ہر طرف آگ سی اک لگائے جا
جلوۂ لطف خاص سے میری نظر ہو آشنا — میں ہمہ تن نیاز ہوں برق ستم گرائے جا
ہر بن مو سے ایک دن تجھکو وہ دینگے خود صدا — لیکے متاع جان و دل ان کو مگر بلائے جا
حسن ستم طراز کی مصلحتوں کا کیا پتہ — اس کی ہر اک ادا پہ تو دیدہ و سر جھکائے جا
عشق کی کل صعوبتیں دل کی ہیں تسکینیں — ان کی نگاہ ناز سے لو تو ذرا لگائے جا
ہوش بھی آئے جو کبھی تیرے کنار شوق میں — مستی عشق بن ذرا دست طلب بڑھائے جا

رفعت مہر و ماہ کیا اوج حریم خلد کیا
سب ہیں تری یہ گرد راہ گام طلب بڑھائے جا

افادات مولانا اقبال احمد سہیل ایم اے

تو نے بت توڑ دیئے کتنے صنم خانوں کے   خود مگر معتکف کلیسا و اجمیر رہا
کبھی کاغذ کو کبھی قبر کو پوجا تو نے   بت پرستی سے کبھی جی بھی ترا سیر رہا
خاک پا تو اسی جانباز کا ہے جسکا سر   اسی توحید کی خاطر تہ شمشیر رہا
کردیا شمع نے محفل میں اجالا ہر سو   اپنے ہی پاؤں کے نیچے مگر اندھیر رہا
قصر و ایوان ترے اسلاف کے ویران ہوئے   تیرے ہاتھوں میں فقط خاک کا اک ڈھیر رہا
تجھ کو …. ہی سمجھتا ہے ہر سیپی….   ہاں مگر ہم وطنوں کیلئے تو شیر رہا
یہی کرتوت ہیں تیرے تو سن اے ننگ سلف   تو رہا ہند میں اب تک تو بہت دیر رہا

اس سے بڑھکر ابھی آنی ہے تباہی تجھ پر
عقل کا تیری اسی طرح اگر پھیر رہا

تفسیر سورہ کوثر

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ کوثر کا اردو ترجمہ ہے اس میں کوثر کی تحقیق، خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت، اور نماز اور قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اسکی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ۔ قیمت:۔ اردو ۸/ عربی ۸/

تقریظ و تبصرہ

شہری آزادی ۔ مولفہ جناب ڈاکٹر رام منوہر لوہیا صاحب۔ تقطیع $\frac{20\times30}{16}$ حجم ۲۰ صفحے۔ کتابت و طباعت اطمینان بخش، کاغذ عمدہ۔ قیمت ۸/ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔

عہد حاضر میں شہری آزادی کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ ہر قسم کی سیاسی کشمکش محض حقوق شہریت کے حصول و تحفظ ہی کے لئے ہے۔ ہر قسم کا کام، سیاسی ہو یا سماجی، فکری ہو یا فنی جس نہج کا بھی ہو بغیر شہری آزادی کے بے اثر ہے۔ ہندوستان میں یہ مسئلہ ایک عرصے سے محسوس کیا جا رہا ہے اور جوں جوں ہندوستان کے حالات میں تبدیلی ہوتی جاتی ہے اسی طرح شہری آزادی کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ مگر قبل اس کے کہ شہری آزادی کا مطالبہ عام کیا جائے اور حقوق شہریت کے تحفظ کے لئے اسکیمیں پیش کی جائیں ضرورت ہے کہ عوام کو شہری آزادی کے مفہوم سے آگاہ کر دیا جائے۔ پیش نظر کتاب اسی مقصد سے لکھی گئی ہے۔

اس میں چھوٹے چھوٹے پانچ ابواب ہیں جنمیں فرانس، امریکہ، انگلستان وغیرہ کی انجمنوں اور شہری حقوق کے حصول و تحفظ کے لئے ان کی جد و جہد کا تاریخی حیثیت سے تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں ہندوستان کے حقوق شہریت پر بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دیگر ممالک کے مقابلہ میں ابھی ہندوستانی شہری حقوق سے بالکل محروم ہیں

کتاب کی ظاہری ترتیب ہمارے خیال میں غلط ہے۔ چوتھا باب جس میں حقوق شہریت کے مفہوم اور اس کے تمہیدی مبادی کا تذکرہ ہے سب سے مقدم ہونا چاہیے تھا امید ہے دوسرے

اڈیشن میں اس کی موجودہ ترتیب پر نظر ثانی کی جائے گی۔

ہندوستان کا دیہی قرض ۔ مؤلفہ جناب پروفیسر محمد عاقل صاحب ایم۔ اے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۶۵ صفحے کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ سفید دبیز قیمت ۸/ ۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔

اس کتاب کا بیشتر حصہ پہلے رسالہ جامعہ میں چھپ چکا ہے۔ اب اسی کو مصنف کے بعض ضروری اضافوں کے ساتھ مکتبہ جامعہ نے دوبارہ شائع کیا ہے۔ اس میں ضلع علی گڈھ کے ایک گاؤں 'دلنہ' نامی کے کسانوں کی مالی حالت کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے اور مفصل تحقیقات کے بعد قرض، ادائے قرض، شرح سود، نیلام و رہن وغیرہ کے بہت سے اعداد و شمار اور نقشے پیش کئے گئے ہیں اور اس چھوٹے سے رقبہ کی تفصیلی تحقیقات پیش کر کے ہندوستان کے تمام کسانوں کی عمومی حالت کا اندازہ لگایا ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ ہر کسان اس کا مطالعہ کر کے اپنی حالت کا اندازہ کرے اور سوچے کہ قرض کی موجودہ گرانباری سے نجات کی کیا صورت ہے۔

سیرت سید احمد شہیدؒ ۔ مصنفہ مولوی سید ابوالحسن علی ندوی۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۴۶۴ صفحے۔ کتابت اور کاغذ عمدہ۔ جلد خوبصورت۔ قیمت عا ۔ پتہ:- معین الدہر، کتابخانہ۔ محمد علی لین۔ لکھنؤ۔

آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے، جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اقبال نے ان سے منہ موڑا ہے۔ مسلمانوں پر ایک عجیب تاریکی کا دور گذرا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کی تمام طاقتیں ایک ایک کر کے جواب دے چکی تھیں، ان کی سیاسی تنظیم فنا ہو چکی تھی، صوبہ پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا، باقی اور صوبوں پر عموماً انگریزوں کا قبضہ۔ مسلمانوں کے عقائد و اعمال بھی مسخ ہو چکے تھے، مشرکانہ رسوم و عادات اور بدعات کا غلبہ تھا۔ اس تہ بہ تہ ظلمت کے پردہ سے قدرت نے ایک آفتاب جہانتاب پیدا کیا، یعنی مجدد ملت مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کا ظہور ہوا، آپ نے پہلے مسلمانوں کو کتاب و سنت کی دعوت دی اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائی

پھر اپنے ملکی نظام میں انقلاب برپا کرنے کی تحریک کی اور مسلمانوں کو علانیہ جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ اور استخلاف فی الارض کی دعوت دی۔ اس دعوت نے بجلی کے کڑکے کی طرح چند ہی دنوں میں پنجاب سے لیکر بنگال تک اور ہمالیہ سے لیکر دریائے شور کے سواحل تک کی زمین ہلا دی۔ تمام اطراف ملک سے مجاہدین کے گروہ جوق جوق حضرت سید صاحب کی ہمرکابی کے لئے نکلنے لگے۔ آپ کی چند روزہ صحبت سے ان کے اندر للّٰہیت، خلوص، اعتماد، اتحاد، نظم، سیاست اور جوش جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا کہ اس کی مثال سے صدر اول کے سوا ہماری تاریخ کے تمام ادوار خالی ہیں۔ آپ نے ان مجاہدین کو لیکر سکھوں سے جہاد فرمایا اور اس راہ کے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیکر بالآخر جام شہادت نوش فرمایا۔

آپ کے سوانح حالات، کرامات و خوارق، اور باطنی و روحانی کمالات و فیوض پر ضمناً و مستقلاً بہت سے مضامین اور کتابیں بھی موجود ہیں لیکن ابتک وقت کے مذاق کے مطابق اس تحریک کا کوئی مفصل تذکرہ مرتب نہ ہوا تھا۔ مقام مسرت ہے کہ اسی خانوادہ کے ایک جوان طالع اور جوان ہمت اہل قلم نے اس تذکرہ کی ترتیب کی سعادت پائی اور موجودہ نسل کے نوجوانوں اور بوڑھوں کے لئے ایک ایسی کتاب لکھ دی جس کے آئینہ میں وہ اپنے موجودہ مسخ شدہ چہرہ کا سابق جلال و جمال دیکھ سکتے ہیں۔ ادھر عرصہ سے مسلمانوں میں مذہبی و روحانی بیداری پیدا کرنے کے لئے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ہر نوجوان اس کتاب کو خریدے اور بار بار پڑھے۔ پڑھنے کے قابل چیزیں بہت کم نکلتی ہیں۔ یہ چیز ایسے ہی نوادر میں ایک چیز ہے۔ دل میں ایمان و اسلام کی حرارت ہو تو اس کو پڑھکر موجودہ زمانہ کا مسلمان اپنے نفاق اور قوم کی موت پر خون کے آنسو روئیگا۔ مصنف نوجوان ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بوڑھوں کا سلیقہ تصنیف دیا ہے۔ اس کتاب کے ہر صفحہ کو قلم کی پختگی، حسن انتخاب، اور حسن ترتیب کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نوجوان مصنف کو مسلمانوں کی اصلاح کیلئے ایسی ہی بہت سی

کتابیں لکھنے کی توفیق دے۔ یہ وقت ایسی ہی کتابوں کا منتظر ہے۔ کتاب کے شروع میں مولانا حسین احمد، مولانا عبدالماجد اور مولانا سید سلیمان ندوی کے صفحات تعارف اور دیباچے ہیں۔ اس کے بعد چار ابواب ہیں پہلے باب میں حضرت سید صاحبؒ کے بچپن سے لیکر حج تک کے حالات ہیں۔ اور اس ذیل میں آپ کی تبلیغ و دعوت، آپ کی عزیمت و مجاہدہ، آپ کی عبدیت و خشوع آپکے تقوی و تذکرہ اور آپکے اتباع کتاب و سنت کے احوال تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں دوسرے باب میں آپکے جہاد کے اغراض و مقاصد، مجاہدانہ کارناموں اور شہادت کے حالات ہیں۔ تیسرا باب تجدید امامت اور تزکیہ میں ہے۔ اس میں مقام تجدید، مقام امامت، تزکیہ اور تصوف کے مختلف مراحل و مقامات کی اسلامی نقطہ نظر سے نہایت عالمانہ تشریح ہے۔ اور بدلائل یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔ چوتھے باب میں حضرت سید صاحبؒ کے خلفا کے حالات، ان کی مذہبی و ملی خدمات اور انکی عظیم الشان سیاسی تنظیم اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کی نہایت جامع تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اور یہ باب کتاب کی جان ہے۔ ناممکن ہے کہ آدمی اس کو پڑھکر تڑپ نہ جائے۔

غرض کتاب شروع سے آخر تک علوم شریعت اسرار طریقت اور مباحث سیاست کا ایک قابل قدر تذکرہ ہے۔ فاضل مصنف نے اس کی ترتیب میں فارسی و اردو کے قلمی و مطبوعہ تذکروں کے علاوہ انگریز مصنفین کی تاریخی کتابوں سے بھی کام لیا ہے۔ اور کتاب کو اس قابل بنا دیا ہے کہ ہر خیال کے مسلمان اس کا مطالعہ کریں اور موجودہ سیاسی کشمکش کے زمانہ میں اس سے فائدہ اٹھائیں۔

الرق فی الاسلام۔ مصنفہ مولانا سعید احمد ایم اے فاضل دیوبند۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۲۶۲ ۲۷۲ صفحہ۔ کتابت و طباعت نہایت دلکش، کاغذ بہترین، قیمت مجلد سنہری ؎ ۔ غیر مجلد عہ۔

ملنے کا پتہ:۔ ندوۃ المصنفین قرولباغ نئی دہلی۔

اسلام کے متعلق جو صدہا یورپین مصنفین کا ایک عام اعتراض یہ ہے کہ اس کی تبلیغ بزور شمشیر ہوئی اور اس نے جن جن ممالک کو مسخر کیا اس کے باشندوں کو بھی غلام بنا لیا۔ اور اس طرح اس نے ایک نہایت ذلیل قسم کی غلامی کا رواج دیا۔ ہر چند کہ مسلمانوں کی طرف سے بارہا اس اعتراض کی پرزور تردید ہو چکی ہے لیکن یورپین مورخین اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہیں آتے اور چاہتے ہیں کہ اس طرح مذہب اسلام کو بدنام کر کے اس کے تبلیغی راستوں کو مسدود کریں اس سلسلہ میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ آج ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ سب یورپ ہی کے بازار سے خرید کرائی ہیں اور ان سے بواسطہ ہمارا وہ اسلامی طبقہ بھی متاثر ہوتا ہے، جو مغربی علوم و فنون سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے۔ اور وہ غیر شعوری طور پر اس عام غلط بیانی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں نفس مذہب اسلام کے متعلق بھی طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے ہیں۔ ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر کوئی ایسی جامع اور سیر حاصل کتاب لکھی جائے جو ایک طرف یورپین مورخین کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کرے اور دوسری طرف ہمارے مغربی تعلیم یافتوں کی غلط فہمیاں بھی دور کرے۔ مسلمانوں کو ادارہ ندوۃ المصنفین کا شکرگذار ہونا چاہئے کہ اس نے اس ضرورت کا احساس کیا اور مسئلہ غلامی پر ایک اچھی کتاب شائع کی۔

اس کتاب میں غلامی کی حقیقت، اس کے عمرانی و اقتصادی، اخلاقی و معاشرتی اور نفسیاتی پہلوؤں پر تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام سے پیشتر غلامی کا رواج کن کن ملکوں اور قوموں میں تھا۔ اور تہذیب و تمدن کے مختلف زمانوں میں اس کی کیا نوعیتیں رہیں۔ اسلام نے آکر اس میں کہاں تک ترمیم و اصلاح کی اور کن حالتوں

میں اسے جائز رکھا۔ قرآن مجید میں جو غلامی کا تذکرہ ہے اس کا کیا مقصود ہے۔ اور اس نے غلاموں کی آزادی کے لئے کیا وسائل بتائے ہیں۔ اور انھیں عمرانی و معاشرتی حقوق سے فائدہ اٹھانے کا کہاں تک موقع دیا ہے۔ اس کے بعد اسلام و مسیحیت کی غلامی کا فرق بیان کیا گیا ہے اور یورپین مورخین کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں۔ سب کے آخر میں خود مغربی تاریخ کے حوالوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے اندر واقعی کسی مجبور کن حالت میں غلامی جائز بھی تو اس میں اور یورپ کی موجودہ ہلاکت خیز اجتماعی غلامی میں کیا فرق ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب مفید اور لائق مطالعہ ہے۔

اسوۂ حسنہ فیما ثبت بالسنۃ ۔ مصنفہ مولانا سید امین حسنی الحسینی رحمہ اللہ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۴۴ صفحے کتابت و طباعت متوسط۔ کاغذ معمولی قیمت ۲ ؍ ملنے کا پتہ :- مولانا سید احمد محلہ قضیانہ نصیرآباد ضلع رائے بریلی۔

بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر عمامہ باندھ کر نماز پڑھی جائے تو اسے بے عمامہ کی نماز پر ستر درجہ فضیلت ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے بعض مستفتیوں کے جواب میں اس مسئلہ پر عربی زبان میں بطور فتوی یہ رسالہ لکھا ہے۔ اور نہایت عالمانہ انداز میں بدلائل اس خیال کی تردید کی ہے۔ ضمناً حدیث و فقہ کے بعض اصولی مباحث پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

متحدہ قومیت اور اسلام ۔ مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ حجم ۸۰ صفحے۔ کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ سفید گلیز۔ قیمت ۸ ؍ ملنے کا پتہ :- ناظم مکتبہ مجلس قاسم المعارف دیوبند۔ یو۔ پی۔

"متحدہ قومیت" پر جو معرکہ زبان و قلم جاری رہ چکا ہے اس سے قارئین واقف ہیں۔ اس رسالہ میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنے نقطۂ نظر کو واضح کیا ہے۔ ہم مولانا کے خیالات و دلائل سے بیشتر متفق ہیں۔ اس رسالہ کو پڑھکر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے بے سوچے سمجھے کوئی بات نہیں کی تھی جیسا ان کے بعض معترضین سمجھتے ہیں۔ واللعلم عند اللہ